# أهل السنة کون؟

حافظ ابو یحییٰ نورپوری

علامہ ابوالمظفر السّمعانی (المتوفی:۴۸۹ھ) فرماتے ہیں:

''یادرہے کہ ہمارے (اہل السنہ) اور اہل بدعت کے درمیان فرق عقل کے مسئلہ سے ہوتا ہے، انہوں نے اپنے دین کی بنیاد عقل پر رکھی ہوئی ہے، چنانچہ وہ قرآن وسنت کو عقل کے تابع رکھتے ہیں، جبکہ اہل السنہ کا کہنا ہے کہ دین میں اصل چیز قرآن وسنت کا اتباع ہے، عقل خود اس کے تابع ہے، اگر دین کی بنیاد عقل پر ہوتی تو لوگوں کو وحی اور انبیائے کرام کی ضرورت ہی نہ ہوتی، امرونہی کا سلسلہ ہی باطل ہوکر رہ جاتا اور جو شخص جو چاہتا کہتا چلا جاتا، نیز اگر دین کی بنیاد عقل پر رکھی جاتی تو مومنوں کے لیے جائز ہوتا کہ جب تک کوئی حکم سمجھ میں نہ آتا، اسے قبول نہ کرتے، حالانکہ جب ہم دین کے اکثر امور مثلاً صفاتِ باری تعالیٰ اور اعتقادی مسائل میں غور وفکر کرتے ہیں تو یہ بات بخوبی معلوم ہوجاتی ہے کہ ہم ان کے حقائق کا ادراک اپنی عقلوں کے ذریعے نہیں کرسکتے، اسی طرح دیگر بہت سے مسائل کا حال ہے جو مسلمانوں میں مشہور ومعروف ہیں، سلف صالحین سے منقول ہیں اور انہوں نے باسند نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیے ہیں، مثال کے طور پر عذابِ قبر، منکر نکیر کے سوالات، حوض، میزان، پل صراط، جنت اور جہنم کے حالات، نیز اہل جنت اور اہل جہنم کا وہاں ہمیشہ رہنا وغیرہ، ان مسائل کو صرف قبول کرنے اور ان پر ایمان لانے کا حکم ہے، چنانچہ جب ہم کسی دینی معاملہ میں غور وفکر کے بعد اسے سمجھنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہیں کہ اسی کی توفیق سے یہ ممکن ہوا، لیکن جس چیز تک ہمارے ادراک وفہم کی رسائی نہیں ہوسکتی، ہم اس پر ایمان لے آتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ اس کی ربوبیت وقدرت کا معاملہ ہے، ہمیں اس بارے میں اس کا علم اور اس کی مشیئت کافی ہے، اسی بارے میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

''اور وہ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرمادیجیے کہ روح تو میرے رب کا حکم ہے اور تم بہت ہی تھوڑا علم دیئے گئے ہو۔'' (الاسراء: ۸۵)

نیز فرمایا: ''اور وہ اس کے علم سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کرسکتے، مگر جو وہ چاہے۔'' (البقرۃ: ۲۵۵)

جو شخص یہ دعوی کرتا ہے کہ ہمارے دین کی بنیاد عقل پر ہے اور عقل کی پیروی لازم ہے، اس سے ہمارا سوال ہے کہ بتاؤ، جب تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا حکم آجائے جو تمہاری عقل کے خلاف ہو تو کس کو وقعت دو گے، عقل کو یا حکم الٰہی کو؟ اگر وہ کہے کہ عقل کو، تو غلطی پر ہے اور اسلام کے راستے سے ہٹ گیا ہے اور اگر کہے کہ اللہ کی طرف سے آنے والے حکم پر عمل کروں گا، تو اپنی بات پر قائم نہیں رہا۔

جس حکم شرعی کو ہماری عقل سمجھ لے، اسے ایمان وتصدیق سے قبول کریں گے اور جسے نہ سمجھ پائیں، اسے سرِ تسلیم خم کرکے قبول کریں گے، اسی مفہوم میں اہل السنہ کا یہ قول ہے کہ اسلام ایسا پل ہے جو سرِ تسلیم خم کیے بغیر عبور نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس کی توفیق دے، اس پر استقامت عطا فرمائے اور اپنے فضل وکرم سے اپنے رسول کے دین پر موت دے۔'' (الحجة فی بیان المحجة لأبی القاسم الأصبهانی: ۳۴۷/۱۔۳۴۹)

**جلد :۱**..................**شمارہ : ۲**

**دسمبر2008ء، ذوالحجہ ۱۴۲۹ھ**

# بشریّتِ نبوی

غلام مصطفےٰ ظہیر امن پوری

تمام انبیاء علیہم السلام کی طرح ہمارے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بشر تھے، جب پہلی امتوں نے انبیائے علیہم السلام کو جھٹلایا تو ان کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ آپ بشر ہیں، بشر منصبِ نبوت و رسالت پر فائز نہیں ہوسکتا، اللہ رب العزت نے ان کے اس باطل اور گمراہ کن نظریہ کی تردید فرمائی، جب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا تو مشرکینِ مکہ نے بھی یہی اعتراض اٹھایا، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَسَرُّوا النَّجْوَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ﴾(الانبیاء: ۳)

''اور (ان ظالموں نے) چپکے چپکے سرگوشیاں کیں کہ وہ تو تم ہی جیسا بشر ہے، پھر کیا وجہ ہے، جو تم آنکھوں دیکھتے جادو میں آجاتے ہو؟''

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾(الانبیاء: ۷)

''آپ سے پہلے جتنے بھی پیغمبر ہم نے بھیجے، سبھی مرد تھے، جن کی طرف ہم وحی اتارتے تھے، پس تم اہلِ ذکر سے پوچھ لو اگر خود تمہیں علم نہ ہو۔''

اس واضح نص کے باوجود'' قبوری فرقے'' کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نور سے نور ہیں، اب ہم اتنی سی وضاحت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت پر قرآنی دلائل پیش کرتے ہیں:

## دلیل نمبر ۱:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾(الکهف: ۱۱۰، حمٓ السجده: ٦)

''(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے کہ میں تو بس تمہارے ہی جیسا بشر ہوں، میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔''

## دلیل نمبر ۲:

﴿قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّیۡ هَلۡ كُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلاً ﴾(بنی اسرائیل : ۹۳)

’’آپ کہہ دیجیے کہ میرا رب پاک ہے، میں صرف ایک بشر (اور) رسول ہوں؟‘‘

## دلیل نمبر ۳:

﴿لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ﴾(آلِ عمران : ١٦٤)

’’درحقیقت اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے، جب انہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا۔‘‘

## دلیل نمبر ٤:

﴿لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ﴾(التوبة : ١٢٨)

’’بے شک تمہارے پاس ایک رسول آئے ہیں، جو تمہاری جنس سے ہیں۔‘‘

## دلیل نمبر ٥:

﴿قُلۡ لَّوۡ كَانَ فِى الۡاَرۡضِ مَلٰٓـئِكَةٌ يَّمۡشُوۡنَ مُطۡمَئِنِّيۡنَ لَنَزَّلۡنَا عَلَيۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوۡلًا﴾(بنی اسرائیل : ٩٥)

’’(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم !) کہہ دیجیے کہ اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل رہے ہوتے تو ہم آسمان سے ان کے لیے کوئی فرشتہ رسول بنا کر بھیجتے۔‘‘

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

أی من جنسهم ، ولمّا كنتم أنتم بشرا بعثنا فيكم رسلنا منكم لطفاً ورحمةً .

’’مراد یہ ہے کہ ان فرشتوں کی جنس سے (فرشتہ رسول بھیج دیتے) لیکن جبکہ تم بشر تھے تو ہم نے اپنے خاص فضل وکرم سے تمہاری طرف تمہاری جنس سے رسول بھیج دیا۔‘‘(تفسیر ابنِ کثیر : ٤/ ١٧٤)

ثابت ہوا کہ آپ بشر ہیں اور جنسِ انسانیت سے ہیں، قرآنی دلائل کے بعد اب حدیثی دلائل ملاحظہ فرمائیں:

## دلیل نمبر ١:

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسریٰ کے ترجمان سے کہا:

بعث ربّ السّماوات وربّ الأرضين تعالیٰ ذكره وجلّت عظمته الينا نبيّا من أنفسنا نعرف أباه وأمّه .

''زمین وآسمان کے رب نے ہماری طرف ہماری جنس سے ایک نبی بھیجا ہے، جن کے والدین کو ہم جانتے ہیں۔'' (صحیح بخاری: ۱/ ٤٤٧، ح: ۳۱۵۹)

## دلیل نمبر ۲:

ابو جمرہ نصر بن عمران کہتے ہیں کہ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ہمیں کہا، کیا میں آپ کو ابوذر (غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے قبولِ اسلام کے بارے میں خبر نہ دوں؟ ہم نے عرض کی، ہاں! آپ نے کہا، میں غفار قبیلے کا فرد تھا فبلغنا أن رجلاً قد خرج بمكّة يزعم أنه نبيٌّ .

''ہم تک یہ خبر پہنچی ہے کہ مکہ میں ایک آدمی ظاہر ہوا ہے، جو نبی ہونے کا دعوی کرتا ہے۔''

میں نے اپنے بھائی (انیس غفاری) سے کہا، آپ اس آدمی کے پاس جائیں اور اس سے بات چیت کریں، میرے پاس اس کے بارے میں خبر لائیں، وہ چلا گیا اور آپ سے ملاقات کی، پھر واپس آیا، میں نے کہا، آپ کے پاس کیا خبر ہے؟ اس نے کہا:

واللّٰہ لقد رأيت رجلاً يأمر بالخير وينهىٰ عن الشّرّ .

''اللہ کی قسم! میں نے ایک آدمی کو دیکھا ہے، جو خیر و بھلائی کا حکم دیتا اور برائی سے منع کرتا ہے۔''

(صحیح بخاری: ۱/ ٤٩٩، ح: ۳۵۲۲، صحیح مسلم: ۲/ ۲۹۷، ح: ۲٤۷٤)

## دلیل نمبر ۳:

عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا کہ مشرکینِ مکہ نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو سخت ترین معاملہ کیا ہے، اس کی مجھے خبر دیں، وہ کہنے لگے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک عقبہ بن ابی معیط آیا، اس نے آپ کو کندھے سے پکڑا اور اپنا کپڑا نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک میں ڈال کر سختی سے آپ کا گلا گھونٹا، سیدنا ابوبکر تشریف لائے اور اس کے کندھے سے پکڑ کر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کر دیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّىَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآئَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ (المؤمن: ۲۸) (کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرنے کے درپے ہو، جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن نشانیاں لے کر آیا ہے)۔

(صحیح بخاری: ۲/ ۷۱۱-۷۱۲، ح: ٤٨١٥)

## دلیل نمبر ٤:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: **اللّٰھمّ ! انّ محمّداً بشر یغضب کما یغضب البشر .**

''اے اللہ! بے شک محمد بشر ہے، اس کو غصہ آ جاتا ہے، جس طرح ایک بشر کو غصہ آ جاتا ہے۔''

(صحیح مسلم : ٣٢٤/٢، ح : ٢٦٠١)

## دلیل نمبر ٥:

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں تو بس بشر ہوں، تم میرے پاس مقدمات لاتے ہو، ہوسکتا ہے کہ کوئی اپنے دلائلِ دعوی کے نشیب وفراز کو دوسرے کی نسبت زیادہ سمجھ داری سے پیش کرے، میں (بالفرض) دلائل کی سماعت کی بنیاد پر اس کے حق میں فیصلہ سنا دوں، (یاد رکھو) جس کو میں (دلائل کی ظاہری قوت کے پیشِ نظر) اس کے بھائی کا معمولی سا حق بھی کاٹ کر دے دوں، وہ اسے نہ لے، یقیناً میں نے اسے آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دیا ہے۔''(صحیح بخاری : ٢ /١٠٦٢، ح : ٧١٦٩، صحیح مسلم : ٢ /٧٤، ح : ١٧١٣)

## دلیل نمبر ٦:

سیدنا سمرہ بن جندب کہتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے اجتماع سے خطاب فرمایا: **یآ أیھا النّاس ! انّما أنا بشر و رسول اللّٰہ .** ''لوگو! میں بشر ہوں اور اللہ کا رسول ہوں۔''

(مسند الامام احمد : ٥ /١٦، الطبرانی : ٦٧٩٧۔٦٧٩٩، المستدرك للحاكم : ١ /٣٢٩۔٣٣٠
واخرجه ابو داؤد : ١٨٤ والنسائی : ١٤٨٤ والترمذی : ٥٦٢ مختصراً وقال : حسن صحیح، وسنده حسن)

اس حدیث کو امام ابنِ خزیمہ (١٣٩٧)، امام ابنِ حبان (٢٨٥٦) نے ''صحیح'' اور حاکم نے بخاری و مسلم کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

اس حدیث کا راوی ثعلبہ بن عباد العبدی ''موثق حسن الحدیث'' ہے، امام ابنِ خزیمہ، امام ترمذی، امام ابنِ حبان اور حاکم نے اس کی حدیث کی تصحیح کر کے اس کی توثیق کی ہے، لہٰذا اس کو ''مجہول'' کہنے والوں کا قول مردود ہے۔

## دلیل نمبر ٧:

ابو رمثہ کہتے ہیں، میں اپنے والدِ گرامی کے ساتھ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا، جب

میرے باپ نے کہا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے:

وكنت أظنّ رسول اللّه صلّى اللّه عليه وسلّم شيئًا لا يشبه النّاس ، فاذا بشر .

''میرے خیال میں یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں جیسے نہیں ہوں گے، اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ آپ تو بشر ہیں۔''

آپ کے بال مبارک کانوں سے ملے ہوئے تھے، ان پر مہندی لگی ہوئی تھی، آپ پر دو سبز چادریں تھیں، میرے باپ نے آپ پر سلام کہا، پھر ہم بیٹھ گئے، تھوڑی دیر باتیں کیں تو آپ نے میرے والد سے پوچھا، کیا یہ آپ کا بیٹا ہے؟ تو انہوں نے جواب میں کہا، ہاں، کعبہ کے رب کی قسم! یہ میرا بیٹا ہے، آپ نے فرمایا، واقعی آپ کا بیٹا ہے؟ تو میرے باپ نے کہا، میں اس پر گواہی دیتا ہوں، میری والد سے مشابہت اور مجھ پر میرے والد کی قسم کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس دیئے، فرمایا، اس کے جرم کی سزا آپ کو نہیں ملے گی اور نہ ہی آپ کے جرم کی سزا اس کو ملے گی، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ (الأنعام :١٦٤،الاسراء : ١٥، فاطر : ١٨، الزمر : ٧) (کوئی جان دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھاتی) پھر میرے والد نے آپ کی جلد مبارک کے ساتھ لگا ہوا زائد گوشت دیکھا تو کہا، اے اللہ کے رسول! میں لوگوں کا علاج کرتا ہوں، کیا آپ کا علاج نہ کروں؟ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، اس کو پیدا کرنے والا ہی اس کا طبیب ہے۔'' (مسند الامام احمد : ٢ /٢٢٨،٢٢٦ زوائد مسند الامام احمد : ٢ /٢٢٨،٢٢٧، وسنده صحيح)

امام حاکم (٢ /٤٢٥) نے اس کو ''صحیح الاسناد'' کہا ہے۔

## دلیل نمبر ٨:

سیدنا رافع بن خدیج انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انّما أنا بشر ، اذا أمرتكم بشيئ من دينكم فخذوا به واذا أمرتكم بشيئ من رأيي فانّما أنا بشر . ''یقیناً میں بشر ہوں، جب میں تمہیں کوئی بھی دینی حکم دوں تو اس پر (سختی سے) عمل پیرا ہو جاؤ اور جب میں تمہیں اپنی رائے سے حکم دوں تو میں بشر ہوں۔'' (صحيح مسلم : ٢ /٢٦٤، ح : ٢٣٦٢)

## دلیل نمبر ٩:

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات سنتا تھا، وہ حفظ و ضبط کے ارادے سے لکھ لیتا تھا، مجھے اس بات سے ہر قریشی (صحابی) نے منع کیا،

انہوں نے کہا کہ آپ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات لکھ لیتے ہیں، حالانکہ آپ بشر ہیں، غضب وغصہ اورخوشگواری دونوں حالتوں میں بات کرتے ہیں، عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں، میں حدیث لکھنے سے رک گیا، میں نے اس بات کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے اپنی انگلی مبارک سے اپنے منہ مبارک کی طرف اشارہ کیا اورفرمایا،لکھا کر، مجھے اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے،اس منہ سے صرف حق نکلتا ہے۔'' (مسند الامام أحمد : ٢/ ١٦٢، سنن أبی داؤد : ٣٦٤٦، سنن الدارمی : ٤٩٠، المستدرك للحاكم : ١/ ١٠٥۔١٠٦، وسنده صحيح، وأخرجه أحمد : ٢/ ٢٠٧، مسند البزار : ٢٤٧٠، تاريخ أبی زرعة الدمشقی : ١٥١٦، الصحابة لأبی القاسم البغوی : ١٤٧٢، جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر : ١/ ٨٤۔٨٥، وسنده حسن ، التقييد للخطيب : ٨٠، وسنده حسن)

## دلیل نمبر ۱۰:

قاسم بن محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امورِخانہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا:

**كان بشراً من البشر، يفلی ثوبه ، ويحلب شاته ، ويخدم نفسه .**

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشروں میں سے ایک بشر تھے، اپنے کپڑوں سے جوئیں تلاش کرتے ، اپنی بکریوں کا دودھ دوہتے اوراپنے کام خود کرتے تھے۔''

(مسند الامام أحمد : ٦/ ٢٥٦، وسنده حسن ، حلية الأولياء لأبی نعيم : ٨/ ٣٣١ عن عمرة وسنده حسن ، وصححه ابن حبان : ٥٦٧٤، الشمائل للترمذی : ٣٤٣، الادب المفرد للبخاری : ٥٤١، شرح السنة : ٣٦٧٦، وهو حسن)

## دلیل نمبر ۱۱:

ابورِمثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

**دخلت المسجد مع أبی واذا النبیّ صلّی اللّٰه عليه وسلّم قاعد فی ظلّ الكعبة ، قال لی: أرأيت الرّجل الّذی فی ظلّ الكعبة ؟ ذاك رسول اللّٰه .**

''میں اپنے والد کے ہمراہ مسجدِ (حرام) میں داخل ہوا، وہاں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے، میرے والد نے مجھے کہا، کیا تو نے وہ شخص دیکھے ہیں، جو کعبے کے سائے میں بیٹھے ہیں، وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔''

(مسند الامام أحمد : ٤/ ١٦٣، زوائد مسند الامام أحمد : ٢/ ٢٢٧، المعجم الكبير للطبرانی : ٢٢/ ٢٨٢، وسنده صحيح)

☆..................☆..................☆

دفاعِ حدیث:

# مُتَنَفِّل کی اقتداء میں مُفْتَرِض کی نماز(۲)

حافظ ابو یحییٰ نورپوری

## دلیل نمبر ۲:

((عن جابر قال : أقبلنا مع رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم حتی اذا کنّا بذات الرّقا ع ۔ فذکر الحدیث، الی أن قال ۔ فنودی بالصّلوۃ ، فصلّی النّبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم بطائفة رکعتین ، ثمّ تأخّروا ، فصلّی بالطائفة الاخری رکعتین ، قال : فکانت لرسو ل اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلم أربع رکعات ، وللقوم رکعتان))

''سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے حتی کہ ذات الرقاع جگہ پر پہنچ گئے۔۔۔نماز کے لئے اذان کہی گئی، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں، وہ لوگ پیچھے ہٹ گئے، آپ نے دوسرے گروہ کو بھی دو رکعتیں پڑھا دیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار رکعتیں ہوئیں اور صحابہ کی دو دو۔''

(صحیح بخاری تعلیقاً :۲/۵۹۳، ح : ٤١٣٦ ، صحیح مسلم موصولًا :۲ /۲۷۹، ح : ۸٤۳)

## دلیل نمبر ۳:

((عن أبی بکرۃ قال : صلّی النّبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم فی خوف الظّهر، فصفّ بعضهم خلفه و بعضهم بازاء العدوّ ، فصلّی بهم رکعتین ثمّ سلّم، فانطلق الّذین صلّوا معه فوقفوا موقف أصحابهم ، ثمّ جاء أولٰئک فصلّوا خلفه ، فصلّی بهم رکعتین ثمّ سلّم ، فکانت لرسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم أربعا ولأصحابه رکعتین رکعتین ، وبذٰلک کان یفتی الحسن .))

''سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوف کی حالت میں ظہر کی نماز ادا کی، کچھ لوگوں نے آپ کے پیچھے صف بنائی اور کچھ نے دشمن کے سامنے، آپ نے ان کو دو رکعتیں پڑھائیں، پھر سلام پھیرا، وہ لوگ جو نماز ادا کر چکے تھے، جا کر دوسرے ساتھیوں کی جگہ پر کھڑے ہو گئے، پھر وہ آئے اور آپ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ نے ان کو بھی دو رکعتیں پڑھائیں، اس

طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار رکعتیں ہو گئیں اور صحابہ کی دو دو، امام حسن بصری اسی طرح فتوی دیتے تھے۔'' (سنن أبی داؤد : ۱۲۴۸، سنن نسائی : ۱۵۵۳، صحیح)

☆ امام ابن خزیمہ (م ۳۱۱ھ) ان دونوں احادیث پر یوں تبویب فرماتے ہیں:

باب صفة صلاة الخوف والعدوّ خلف القبلة، وصلاة الامام بكل طائفة ركعتين، وهذا أيضا الجنس الذى أعلمت من جواز صلاة المأموم فريضة خلف الامام المصلّى نافلة، اذ احدى الرّكعتين كانت للنّبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم تطوّعا وللمأ مومنين فريضة.

''دشمن قبلہ کے پیچھے ہو، تو نمازِ خوف کا طریقہ اور امام کا ہر گروہ کو دو رکعتیں پڑھانا، نیز یہ اسی طرح کی دلیل ہے، جو میں نے نفل ادا کرنے والے امام کی اقتدا میں فرض ادا کرنے والے مقتدیوں کی نماز کے جواز میں بتائی تھی، کیونکہ چار میں سے دو رکعتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نفل تھیں اور مقتدیوں کے لئے فرض۔'' (صحیح ابن خزیمه : ۲۹۷/۲، باب نمبر : ٦١٥)

☆ امام ابن المنذر (م ۳۱۸ھ) فرماتے ہیں:

وهٰذا الخبر يدلّ علٰى اباحة أن يصلّى المرء الفريضة خلف من يصلّى نافلة، لأنّ الآخرة من صلاة النّبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم كانت نافلة.

''یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ فرض پڑھنے والے آدمی کی نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے جائز ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری دو رکعت نماز نفلی تھی۔'' (الأوسط لابن المنذر : ٥/ ٣٢)

☆ امام بیہقی (م ۴۵۸ھ) ان احادیث پر یوں باب قائم فرماتے ہیں:

باب الفريضة خلف من يصلّى نافلة.

''نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض پڑھنے کا بیان۔'' (السنن الکبریٰ للبیهقی : ۸۵/۳)

☆ حافظ ابن حزم (م ۴۵٦ھ) نے بھی ان احادیث سے متنفل کی اقتداء میں مفترض کی نماز کا جواز ثابت کیا ہے۔ (المحلّٰی : ٤/ ٢٢٦)

☆ حافظ نووی (٦٣١۔٦٧٦ھ) لکھتے ہیں:

وكان النّبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم متنفّلا فى الثّانية وهم مفترضون واستدلّ به الشّافعىّ وأصحابه علٰى جواز صلوة المفترض خلف المتنفّل.

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوسری جماعت کی دونوں رکعتوں میں متنفل تھے اور لوگ مفترض تھے،

امامِ شافعی اوران کے موافقین نے اس حدیث سے متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز کے جواز پر استدلال کیا ہے۔'' (شرح مسلم از نووی: ۱ /۲۷۹)

نیز حافظ نووی اپنی کتاب ''خلاصة الأحکام'' میں ان احادیث پر یوں تبویب فرماتے ہیں:

باب صحّة صلاة المفترض خلف المتنفّل .

''متنفل کی اقتداء میں مفترض کی نماز درست ہونے کا بیان۔'' (خلاصة الاحکام از نووی: ۲ /۶۹۷)

☆ علامہ زیلعی حنفی لکھتے ہیں:

وعلٰی کلّ حال ، فالاستدلال علی الحنفیّة بحدیث جابر صحیح .

''بہرحال جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے احناف کے خلاف (متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز کا) استدلال صحیح ہے۔'' (نصب الرایہ: ۲/ ۵۷)

☆ علامہ سندھی حنفی لکھتے ہیں:

ولا یخفٰی أنّه یلزم فیه اقتداء المفترض بالمتنفّل قطعا ولم أر لهم عنه جوابا شافیا .

''بڑی واضح بات ہے کہ اس حدیث میں قطعی طور پر متنفل کی اقتداء میں مفترض کی نماز کا جواز ثابت ہوتا ہے، میں نے ان (احناف) کے پاس اس حدیث کا کوئی شافی (مقبول) جواب نہیں پایا۔''
(حاشیة السندی علی النسائی)

## تاویلات و اعتراضات کا جائزہ:

قارئین! احناف کے قابل قدر امام سندھی حنفی تو فرما رہے ہیں کہ احناف کے پاس اس حدیث کا کوئی شافی جواب نہیں ہے، لیکن پھر بھی بعد والوں نے اس پر اپنے تقلیدی حربے خوب آزمائے ہیں، آیئے ان کا منصفانہ تجزیہ کرتے ہیں:

### تاویل نمبر ۱:

جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب لکھتے ہیں:

قد علمت أن فیه حجّة للشّافعیّة فی مسألة جواز اقتداء المفترض بالمتنفّل و عجز عن جوابه مثل الزّیلعیّ وابن الهمّام ، وحمله الطّحاویّ علٰی زمان کانت الفرائض فیه تصلّٰی مرّتین ، وقد أجبت عنه جوابا شافیا .

''میں جانتا ہوں کہ اس حدیث میں شوافع کے لئے متنفل کی اقتداء میں مفترض کی نماز کے جواز کی

دلیل موجود ہے، اس کے جواب سے زیلعی اور ابن ہمام جیسے اکابر احناف بھی عاجز رہے ہیں اور امام طحاوی نے اسے اس زمانے پر محمول کر دیا ہے جب فرض دو مرتبہ پڑھے جاتے تھے، البتہ میں نے اس کا شافی جواب دیا ہے۔'' (فیض الباری: ٤/ ١٠٤)

**تبصرہ** : کشمیری صاحب اس بات کا تو اقرار کر چکے ہیں کہ اس حدیث میں اس مسئلہ کی دلیل موجود ہے، اس پر طرّہ یہ کہ اکابر احناف بھی اس کے جواب سے عاجز رہے، امام طحاوی نے اسے مخصوص زمانے پر محمول کیا ہے، اس کا جواب ہم پیچھے (حدیث معاذ پر اعتراض نمبر ٥ کے تحت تبصرہ) ذکر کر آئے ہیں کہ جس دلیل پر ان کے دعوی کی بنیاد تھی، جب وہ دلیل ہی ٹوٹ گئی، تو دعوی کی عمارت خود بخود زمین بوس ہو گئی۔

ویسے بھی کشمیری صاحب کے نزدیک یہ کوئی شافی جواب نہیں، لہٰذا امام طحاوی کا اعتراض تو احناف کے گھر سے ہی ختم ہو گیا۔

اب رہا کشمیری صاحب کا شافی جواب، تو عرض ہے کہ موصوف صحیح حدیث کے خلاف اکثر ایسی طبع آزمائی فرماتے رہتے ہیں، ایک وتر، جو کہ صحیح مسلم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور کئی اکابر احناف اس بات کا اقرار کر چکے ہیں، اس کا بھی شافی جواب تقریباً ١٤ سال کی ''محنت شاقہ'' کے بعد کشمیری صاحب کے ذہن میں آیا تھا۔

(دیکھیں فیض الباری: ٢/ ٣٧٥، العرف الشذی: ١/ ١٠٧، معارف السنن از بنوری: ٤/ ٢٦٤، درسِ ترمذی از تقی: ٣/ ٢٢٤)

بھلا حدیث پر عمل کا یہی تقاضا ہے کہ اگر وہ امام کے قول کے موافق نہ ہو، تو پوری زندگی اس کا جواب ہی ڈھونڈا جائے، عمل نہ کیا جائے؟ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین عظام رحمہم اللہ کا یہی طرز عمل تھا؟ کیا امام ابوحنیفہ اور دوسرے ائمہ دین کا یہی درس تھا؟

قارئین! آپ خود ہی اندازہ لگائیں کہ یہ طرزِ عمل حدیث سے خیر خواہی ہے یا۔۔۔؟ یہ اقرار حدیث ہے یا۔۔۔؟ اور یہ حدیث کی موافقت ہے یا۔۔۔؟

## تاویل نمبر ٢:

اب صلوۃِ خوف والی حدیث کا ''شافی کشمیری جواب'' ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

والجواب علیٰ ما ظهر لی أنّ النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم صلّاها فی ذات الرّقاع علی الصّفة المختارة عند الشّافعیّة ، فصلّٰی بطائفة رکعة ، ثمّ ثبت قائما حتّٰی أتمّوا لأنفسهم ، وجاء ت الأخرٰی ، فصلّی بهم کذالک ،فاعتبر الرّاوی رکعته رکعة ، و مکثه بقدر ما أتمّوا

لأنفسهم ركعة أخرىٰ ، فعبّرعنه بالرّكعتين ، وكانت الرّكعتان فى الحقيقة لمن خلفه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، وانّما نسبهما اليه أيضا لتأخيره بتلك المدّة ، ومكثه فيها ، فاذا تضمّنت ركعته لركعتيهم تضمّنت ركعتاه لأربعهم لا محالة، وهٰذا وان كان يرىٰ تاويلا فى بادى النّظر ، لكنّه مؤيّد بما يروىٰ عن جابر فى عين تلك القصّة ، فقد أخرج البخاريّ : (ص: ۵۹۲،ج :۲) عن صالح بن خوّات عمّن شهد مع رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم يوم ذات الرّقاع صلاة الخوف أنّ طائفة صفّت معه ، وطائفة وجاه العدوّ ، فصلّٰى بالّتى معه ركعة ، ثمّ ثبت قائما ، وأتمّوا لأنفسهم ، ثمّ انصرفوا فصفّوا وجاه العدوّ ، وجاء ت الطّائفة الأخرىٰ ،فصلّٰى بهم الرّكعة الّتى بقيت من صلاته ، ثمّ ثبت جالسا ، وأتمّو لأنفسهم ، ثمّ سلّم بهم ، اه . فهٰذا صريح فى أنّ القوم فرغوا جميعا ، فكانت لهم ركعتان ركعتان ، وكانت للنّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم أيضا ركعتان ، كما ذكره الرّاوى هٰهنا ،لأنه لمّا مكث بعد ركعة بقدر ركعة ، وانتظر القوم عبّر عنه الرّاوى هناك بالرّكعة ، وعدّ له أربع ركعات بهٰذا الطّريق ، ولا بدّ ، فانّ الواقعة واحدة ، فلعلّك علمت الآن حال تعبير الرّواة أنه لا يبنى علىٰ مسألة فقهيّة فقط ، بل يأتى علىٰ عبارات و ملاحظ ، تسنح لهم عند الرّواية .

’’جو جواب مجھ پر منکشف ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ ذات الرقاع میں اس طرح نماز پڑھی تھی ، جیسے شوافع کے ہاں مختار ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گروہ کو ایک رکعت پڑھائی ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے رہے حتی کہ صحابہ کرام نے اپنی (دو رکعتیں) نماز مکمل کر لی، دوسری جماعت آئی ،تو آپ نے ان کو بھی ایسے ہی ایک رکعت نماز پڑھائی اور دوسری صحابہ کرام نے خود مکمل کی ، لہٰذا راوی نے آپ کی رکعت کو بھی ایک رکعت شمار کیا اور آپ کے انتظار کو بھی ایک رکعت شمار کر لیا، یوں دو رکعتیں سمجھ لیں، حالانکہ دو رکعتیں درحقیقت تو ان صحابہ کی تھیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی تھی ، راوی نے آپ کے ایک رکعت کے بعد ٹھہرنے اور دوسرے صحابہ کا انتظار کرنے کو ملحوظ رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی دو رکعتیں منسوب کر دیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک رکعت صحابہ کی دو رکعتوں کو متضمن ہوگئی ،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو رکعتیں صحابہ کی چار رکعتوں کو بھی بلا شبہ متضمن ہوگئیں، یہ بات بظاہر تو ایک تاویل ہی لگتی ہے، لیکن اس کی تائید جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی واقعہ کی ایک اور روایت سے ہوتی ہے، بخاری (۲/ ۵۹۲) میں صالح بن خوات اس شخص سے بیان کرتے

ہیں، جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع والے دن نمازِ خوف پڑھی تھی، کہ صحابہ کرام کے ایک گروہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صف بنائی اور دوسرے گروہ نے دشمن کے سامنے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ والے گروہ کو ایک رکعت نماز پڑھائی، پھر کھڑے رہے، حتی کہ انہوں نے اپنی دوسری رکعت مکمل کی، پھر وہ لوٹ گئے اور دشمن کے سامنے صف بنالی، دوسرا گروہ آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بقیہ نماز (دوسری رکعت) پڑھا دی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے رہے، حتی کہ صحابہ نے اپنی دوسری رکعت مکمل کرلی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ سلام پھیرا۔ یہ روایت صریح ہے کہ صحابہ دو دو رکعتیں پڑھ کر فارغ ہوئے، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے فارغ ہونے کے بعد فارغ ہوئے، صحابہ کرام کی دو دو رکعتیں ہوئیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی دو، جیسا کہ راوی نے یہاں ذکر کر دیا، مگر جب آپ ایک رکعت کے بعد ایک رکعت کی مقدار ٹھہرے اور دوسرے صحابہ کا انتظار فرمایا، تو راوی نے اسے بھی ایک رکعت شمار کرلیا، اس طرح آپ کی نماز کو بھی چار رکعتوں کے برابر کر دیا، حالانکہ یقیناً واقعہ ایک ہی ہے، شاید اب ہی آپ کو راویوں کی تعبیر کا حال معلوم ہو جائے کہ یہ تعبیر محض کسی ایک فقہی مسئلے پر مبنی نہیں ہوتی، بلکہ روایت کے وقت راویوں کو جو عبارات سوجھ جائیں، تعبیرانہی کے مطابق ہوتی ہے۔'' (فیض الباری: ۳/۲۴۷)

## تبصرہ:

معزز قارئین! دیکھا آپ نے کہ کشمیری صاحب کو حدیث سے جان چھڑانے کی خاطر کتنے پاپڑ بیلنا پڑے؟ لیکن ان کی اتنی ''محنت'' بھی رنگ نہ لاسکی کیونکہ:

☆ جس روایت پر بناء کر کے کشمیری صاحب نے اتنی بڑی اور بعید تاویل کی ہے، بصراحتِ محدثین، وہ الگ واقعہ ہے، یہی قصہ نہیں، لہٰذا کشمیری صاحب کا یہ کہنا کہ ولا بدّ ، فانّ الواقعة واحدة. (یقیناً یہ ایک ہی واقعہ ہے) کئی وجوہ سے باطل ہے:

(ا) جو روایت بخاری کے حوالہ سے پیش کی گئی ہے، اس میں من شهد مع رسول الله . (جس نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ ذاتِ رقاع والے دن نماز ادا کی تھی) سے مراد قطعاً جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں ہیں، ائمہ مجتہدین اور فقہاء سے ایسی کوئی بات منقول نہیں ہے، آج تک کسی عالم نے یہ بات نہیں کہی، بلکہ یہ خالص ''کشمیری انکشاف'' ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

قیل ان اسم هٰذا المبهم سهل بن أبی حثمة ، لأن القاسم بن محمّد روٰی حدیث صلاة الخوف عن صالح بن خوّات عن سهل بن أبی حثمة ، و هٰذا ظاهر من روایة البخاری ، ولکن الرّاجح أنّه أبوه خوّات بن جبیر ، لأنّ أبا أویس روٰی هٰذا الحدیث عن یزید بن رومان شیخ مالک فیه فقال ، عن صالح بن خوّات عن أبیه ، أخرجه ابن مندة فی معرفة الصّحابة من طریقه ، و کذٰلک أخرجه البیهقیّ من طریق عبید اللّٰه بن عمر عن القاسم بن محمّد عن صالح بن خوّات عن أبیه ، وجزم النّوویّ فی تهذیبه بأنه خوّات بن جبیر وسبقه لذٰلک الغزالیّ فقال : ان صلاة ذات الرّقاع فی روایة خوّات بن جبیر .

''ایک قول یہ ہے کہ اس مبہم راوی کا نام سہل بن ابی حثمہ ہے، کیونکہ قاسم بن محمد نے نماز خوف میں ایک روایت سہل بن ابی حثمہ سے بیان کی ہے اور یہ بات صحیح بخاری کی روایت سے واضح ہے، لیکن راجح بات یہ ہے کہ مبہم راوی صالح کا باپ خوات بن جبیر ہے، کیونکہ ابواویس نے بالکل یہی حدیث یزید بن رومان، جو امام مالک کے شیخ ہیں، سے عن صالح بن خوات عن أبیه کے الفاظ سے بیان کی ہے، اس سند سے ابن مندہ نے اسے اپنی کتاب معرفة الصحابه میں بیان کیا ہے، اسی طرح امام بیہقی نے بھی عبید الله بن عمر عن القاسم بن محمّد عن صالح بن خوّات عن أبیه کے الفاظ سے بیان کیا ہے، حافظ نووی نے اپنی کتاب التهذیب میں بالجزم بتایا ہے کہ یہ خوات بن جبیر ہیں، ان سے پہلے غزالی نے کہا تھا کہ غزوہ ذاتِ الرقاع میں نمازِ خوف کا قصہ خوات بن جبیر کی روایت سے ہے۔''

(فتح الباری : ٧/٤٢٢)

موصوف مزید لکھتے ہیں:

ویحتمل أنّ صالحا سمعه من أبیه ومن سهل بن أبی حثمة فلذٰلک یبهمه تارة و یعیّنه أخرٰی ، الا أن تعیین کونها کانت ذات الرقاع انما هو فی روایته عن أبیه ولیس فی روایة صالح عن سهل أنه صلّاها مع النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم....

''یہ بھی احتمال ہے کہ صالح نے اپنے باپ سے بھی سنا ہو اور سہل بن ابی حثمہ سے بھی، اسی لئے وہ کبھی اسے مبہم رکھتے ہیں اور کبھی تعیین کر دیتے ہیں، لیکن ذاتِ رقاع میں راوی کی تعیین صرف عن أبیه سے ہے، سہل بن ابی حثمہ سے نہیں، کیونکہ یہ بات ہی بہت بعید ہے کہ سہل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ نماز پڑھی ہو، کیونکہ ان کی عمر ہی اس غزوہ کے وقت بہت تھوڑی تھی۔" (فتح الباری : ۴۲۲/۷)

ان تصریحات سے تو روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا ہے کہ صالح بن خوات غزوہ ذاتِ رقاع کی نمازِ خوف جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان نہیں کر رہے بلکہ اپنے والد خوات بن جبیر سے بیان کرتے ہیں، لہٰذا کشمیری صاحب کا یہ کہنا کہ **لکنّه مؤيّد بما يروى عن جابر فى عين تلك القصّة** (اس تاویل کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو اسی واقعہ میں جابر ہی سے مروی ہے) بالکل بے بنیاد ہے۔

(ب) محدثین نے نمازِ خوف کے بہت سے طریقے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کئے ہیں، جو طریقے آپ سے بسندِ صحیح ثابت ہیں، ان سب پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

جناب محمد سرفراز خاں صفدر دیوبندی حیاتی لکھتے ہیں:

"حافظ ابن قیم زاد المعاد (۱ /۱۴۷) میں لکھتے ہیں کہ صلوۃ الخوف کی چھ یا سات صورتیں ہیں **و كلها جائزة** یہ سب جائز ہیں۔ علامہ ابن حزم نے محلی میں اور ابوداؤد نے اپنی سنن میں تیرہ صورتیں لکھی ہیں، قاضی شوکانی نیل الاوطار (۳۳۷/۳) میں لکھتے ہیں کہ سترہ صورتیں ہیں، حافظ ابن حجر بحوالہ ابوبکر بن العربی سولہ صورتیں نقل کرتے ہیں (فتح الباری ۲: ۴۳۱/) ، امیر یمانی سبل السلام (۲ /۷۷) میں لکھتے ہیں: **وقال ابن حزم صحّ منها أربعة عشر وجها وقال ابن العربى فى عارضة الأحوذيّ** (۴۵/۳) **فيها روايات كثيرة أصحّها ستّ عشر رواية** . (ابن حزم فرماتے ہیں کہ ان میں سے ۱۴ طریقے صحیح ثابت ہیں اور ابن العربی کہتے ہیں کہ اس میں بہت سی روایات ہیں، ان میں سے صحیح ترین ۱۶ ہیں)۔ ان میں سے جس پر عمل کرے، درست ہے۔" (خزائن السنن : ۲۰۲/۲)

لہٰذا جب یہ قصہ الگ ثابت ہوگیا ہے، تو کوئی وجہ ہی نہیں کہ اس میں تاویل کر کے اسے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی طریقے کے ساتھ ملا دیا جائے۔

چنانچہ ائمہ مجتہدین نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان کردہ غزوہ ذاتِ رقاع کی نماز کو ایک الگ طریقہ اور صالح بن خوات کی بیان کردہ نماز کو ایک الگ طریقہ بتایا ہے، صاف ظاہر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ میں ایک نماز تو نہیں پڑھی ہوگی، کسی نماز میں ایک طریقہ اپنا لیا اور کسی میں دوسرا، لہٰذا دونوں احادیث میں کوئی منافات نہ رہی، یہ دو الگ نمازیں ہیں۔

امام ابن حبان نے سیدنا جابر کی روایت کو چھٹے طریقے اور صالح بن خوات کی روایت کو نماز خوف کے ساتویں طریقے میں درج کیا ہے۔ (صحیح ابن حبان : ۱۳۵/۷۔۱۴۰)

امام ابن خزیمہ نے بھی ان دونوں روایات سے دو الگ الگ طریقے ثابت کئے ہیں۔

(صحیح ابن خزیمہ : ۲/۲۹۷ ، ۳۰۰)

امام ابن المنذر نے سیدنا جابر کی روایت چوتھے طریقے اور صالح بن خوات کی روایت چھٹے طریقے میں بیان کی ہے۔(الاوسط لابن المنذر : ۵ /۳۲ ـ ۳۳)

امامِ بخاری نے بھی صالح بن خوات اور سیدنا جابر کی روایات الگ الگ ذکر کی ہیں۔

الغرض اس بحث سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ دو الگ واقعات ہیں۔

(ج) کشمیری صاحب کی یہ تاویل ایک اور وجہ سے بھی باطل ہو جائے گی کہ ابو داؤد اور نسائی کی روایت میں ثمّ سلّم کے الفاظ موجود ہیں، یعنی آپ نے دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا تھا، اگر بقولِ کشمیری صاحب راوی نے آپ کی ایک رکعت کو دو سمجھ لیا ہو، تو کیا آپ نے ایک رکعت کے بعد سلام پھیرا تھا؟ خود کشمیری صاحب اس اعتراض کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ویخدشه ما عند النّسائیّ (ص : ۲۳۲) من ذکر تسلیم النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم أیضا بعد رکعتین . ( میری اس تاویل کو دو رکعتوں کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پھیرنا پارا پارا کر دیتا ہے ) (فیض الباری : ٤ /١٠٤)

## تاویل نمبر ۳:

خود کشمیری صاحب نے اقرار کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پھیرنا، اس تاویل کو باطل کر دیتا ہے، لیکن پھر بھی اپنی تاویل کو چھوڑا نہیں، بلکہ اسی کو ثابت کرنے کی خاطر ایک اور تاویل کر دی، بھلا اقرارِ حدیث اور عمل بالحدیث اسی کا نام ہے؟ لکھتے ہیں:

قد انکشف عندنا حقیقة الأمر ، وأن لا نتّبع الألفاظ ونقول :انه بالحقیقة تسلیم القوم، ونسبت الی امامه لکونهم فی امامته ، لا أنه تسلیم نفسه ، أو یقال : انه لما انتظر تسلیم القوم ، عبّر الرّاوی انتظارا للتّسلیم بالتّسلیم .

’’ہمارے ہاں حقیقتِ حال واضح ہو چکی ہے، ہم الفاظ کے پیچھے نہیں لگیں گے، بلکہ کہیں گے کہ در حقیقت یہ قوم کا سلام تھا، امام ہونے کی وجہ سے آپ کی طرف منسوب کر دیا گیا، حقیقت میں آپ کا سلام نہ تھا، یا یوں کہا جائے گا کہ جب آپ نے قوم کے سلام کا انتظار فرمایا، تو راوی نے انتظار کو سلام سمجھ لیا۔‘‘

(فیض الباری : ٤ /١٠٤)

**تبصرہ:**

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ تقلیدِ ناسدید مقلدین کو کہاں تک لے جاتی ہے کہ ہر حدیث، جوان کے امام کے قول کے خلاف آئے، اسے تاویلات کا تختہ مشق بنا لیتے ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو بلاواسطہ شاگردانِ رسول ہیں، ان کے فہم پر حملے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

دیکھیں کہ ائمہ کرام، محدثین عظام اور فقہائے کرام حتی کہ بعض حنفی بزرگ بھی واشگاف الفاظ میں ان احادیث سے یہ مسئلہ ثابت کر رہے ہیں، لیکن مقلدین وہ باتیں کرتے ہیں، جو آج تک کسی نے نہیں کیں، کیا محدثین، ائمہ کرام اور اکابر احناف اس حدیث کو زیادہ جانتے تھے یا بعد کے اندھے مقلد؟ اگر یوں ہی تاویلات کا دروازہ کھول دیا جائے تو نمازِ خوف کے بہت سے طریقے، جو احناف کے ہاں بھی مقبول ہیں، باطل ہو جائیں گے، بلکہ سب طریقوں میں تاویل کر کے ایک ہی طریقہ بنالیا جائے گا!!!

**فائدہ:**

کشمیری صاحب کی یہ ساری ''تاویلی محنت'' اس وقت رائیگاں ہو جائے گی، جب ہم امام طحاوی کا اس حدیث پر تبصرہ پیش کریں گے، وہ لکھتے ہیں:

فقد خالف القاسم يزيد بن رومان، فان كان هٰذا يؤخذ من طريق الاسناد، فانّ عبدالرّحمٰن عن أبيه عن صالح بن خوّات عن سهل بن أبى حثمة عن النّبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم أحسن من يزيد بن رومان عن صالح عمّن أخبره، وان تكافئا تضادّا، واذا تضادّا لم يكن لأحد الخصمين فى أحدهما حجّة اذ كان لخصمه عليه مثل ما له علٰى خصمه، فان قال قائل: فانّ يحيى بن سعيد قد روٰى عن القاسم بن محمّد عن صالح بن خوّات عن سهل ما يوافق ما روٰى يزيد بن رومان و يحيى بن سعيد ليس بدون عبدالرّحمن بن القاسم فى الضّبط والحفظ، قيل له يحيى بن سعيد كما ذكرت ولكن لم يرفع الحديث الى النّبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم وانّما أوقفه علٰى سهل فقد يجوز أن يكون ما روٰى عبدالرّحمٰن بن القاسم عن القاسم عن صالح هو الّذى كذٰلك كان عند سهل عن النّبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم خاصّة ثمّ قال هو من رأيه ما بقى فصار ذٰلك رأيا منه لا عن النّبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم و لذٰلك لم يرفعه يحيى الى النّبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم فلمّا احتمل ذٰلك ما ذكرنا ارتفع أن يقوم به حجّة أيضا....

’’اس روایت میں قاسم نے یزید بن رومان کی مخالفت کی ہے، اگر سند کی طرف دیکھا جائے تو **القاسم عن صالح**... **یزید بن رومان عن صالح**... سے بہتر ہے، اگر یہ دونوں برابر بھی ہوں، تو ایک دوسرے کے معارض ہیں، اور جب معارض ہیں، تو دونوں گروہوں میں سے کسی کے لئے دلیل نہیں دن سکتیں۔۔۔اگر کوئی یہ کہے کہ یحیٰ بن سعید نے **القاسم بن محمد عن صالح** .... کی سند سے یزید بن رومان کی طرح ہی حدیث بیان کی ہے اور یحیٰ بن سعید عبدالرحمٰن بن قاسم سے ضبط و حفظ میں کم نہیں ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یحیٰ بن سعید، جیسا کہ آپ نے کہا ہے، کم درجہ نہیں ہیں، لیکن انہوں نے یہ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع بیان نہیں کی، بلکہ موقوف ہے، ہوسکتا ہے کہ جو عبدالرحمٰن بن قاسم نے بیان کیا ہے، وہ خاص آپ کے الفاظ ہوں اور جو یحیٰ بن سعید سے ہے، اس میں سہل نے اپنی رائے سے بات کی ہو، اسی لئے یحیٰ بن سعید اسے مرفوع بیان نہیں کرتے، جب ہمارا مذکورہ احتمال موجود ہے، تو اس سے دلیل لینا جائز نہ رہا۔ دوسری بات یہ ہے کہ عقلی طور پر بھی یہ درست نہیں، کیونکہ ہمیں کوئی نماز ایسی نظر نہیں آتی کہ اس میں مقتدی امام سے پہلے نماز کا کچھ حصہ ادا کر لے، بلکہ وہ یا تو امام کے ساتھ ادا کرتا ہے یا امام کے بعد، اختلافی صورت میں اجماعی امور کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔‘‘

موصوف مزید لکھتے ہیں:

**ولـمّـا لم نجد لقضاء المأموم من قبل أن يفرغ الامام من الصّلوة أصلا فيما أجمع عليه يـدلّ عـليـه فنعطفه عليه أبطلنا العمل به و رجعنا الى الآثار الأخر الّتى قدّمنا ذكرها الّتى معها التّواتر و شواهد الاجماع.**

’’جب ہمارے پاس امام کی فراغت سے پہلے مقتدی کی قضاء کے بارے میں کوئی اجماعی دلیل نہیں کہ ہم اس روایت کو اس پر محمول کر لیں، تو ہم نے اس پر عمل کو باطل قرار دے دیا، اور ان دوسرے آثار کی طرف رجوع کر لیا، جن کے ساتھ تواتر اور اجماعی تائید ہے، نیز ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بالکل برعکس طریقہ بھی بیان کیا ہے۔‘‘

(شرح معانی الآثار للطحاوی: ۲۱۸/۱۔ ۲۱۹)

اب کشمیری صاحب کے معتقدین ہی بتائیں کہ امام طحاوی حنفی کے مقابلے میں کشمیری صاحب کی کیا حیثیت ہے، بات طحاوی حنفی کی مانی جائے گی یا کشمیری صاحب کی؟ جس روایت کو بنیاد بنا کر کشمیری صاحب نے اتنی لمبی چوڑی تاویلات کی تھیں، امام طحاوی نے اسے ہی نا قابلِ حجت قرار دے دیا ہے،

احناف کو چاہئے کہ وہ اپنے اکابر کی تو لاج رکھیں۔

## تاویل نمبر ٤:

جناب ابن ترکمانی حنفی لکھتے ہیں:

هٰذا كان فى صلاة الخوف والنّبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم كان فى مسافة لا تقصر فى مثلها الصّلوة . ''آپ کی یہ نماز اتنی مسافت پر تھی کہ، اس جیسی مسافت پر نماز قصر نہیں کی جاتی۔''

(الجوهر النقى : ٨٦/٣) ،نیز دیکھیں (شرح معانی الآثار للطحاوی : ١/ ٢٢٠)

## تبصرہ :

(ا) جناب انور شاہ کشمیری دیو بندی لکھتے ہیں: وحمله علٰى حال الاقامة باطل .

''اس حدیث کو اقامت پر محمول کرنا باطل ہے۔'' (فيض البارى : ٢٤٧/٣)

(ب) حافظ ابن حزم لکھتے ہیں:

هٰذا جهل وكذب آخر ، أبو بكرة متأخّر الاسلام ، لم يشهد با لمدينة قطّ خوفا ولا صلاة خوف ولا فيما يقرب منها ، و انّما كان ذٰلك . قال جابر. بنخل و بذات الرقاع ، فكلا الموضعين علٰى أزيد من ثلاثة أيام من المدينة .

''یہ ایک اور جھوٹ اور جہالت پر مبنی بات ہے، ابو بکرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آخری دور میں اسلام لائے ہیں، انہوں نے مدینہ میں کبھی خوف، صلاۃِ خوف یا اس سے ملتی جلتی کسی چیز کو نہیں دیکھا، بلکہ جابر کے بقول یہ نمازِ خوف نخل اور ذات ِرقاع جگہ پر ادا کی گئی اور یہ دونوں جگہیں مدینہ سے تین دن سے زائد فاصلے پر واقع ہیں۔'' (المحلى لابن حزم : ٢٣٥/٤)

چنانچہ صریح احادیث، اقوال ائمہ دین، فہمِ محدثین اور فقاہت ِفقہائے کرام کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ تاویل فاسد و باطل ہے۔

حدیث کا ماننا مشکل کام ہے، تاویل مشکل نہیں، جو بھی باطل پر ہو بلا دلیل تاویل کر ہی لیتا ہے۔

علامہ ابن ابی العز حنفی (م۷۹۲ھ) العقيدة الطحاوية کی شرح میں لکھتے ہیں:

ولا يشاء مبطل أن يتأوّل النّصوص و يحرّفها عن مواضعها الّا وجد الٰى ذالك من السّبيل . ''کوئی بھی باطل پرست آدمی جب نصوص میں تاویل و تحریف پر اتر آتا ہے، تو تاویل کا کوئی نہ کوئی راستہ اسے ضرور مل جاتا ہے۔'' (شرح العقيده الطحاويه : ١٨٩)

نیز تاویلِ فاسد کے نقصانات کے تحت لکھتے ہیں:

وهٰذا الّذی أفسد الدّنیا والدّین وهٰكذا فعلت الیهود والنّصارٰی فی نصوص التّوراة والانجیل وحذرنا اللّٰه أن نّفعل مثلهم وأبی المبطلون الّا سلوک سبیلهم ، وکم جنی التّاویل الفاسد علی الدّین وأهله من جنایة ؟ فهل قتل عثمان رضی اللّٰه عنه الّا بالتّأویل الفاسد ! وکذا ما جری فی یوم الجمل ، و صفّین ، ومقتل الحسین رضی اللّٰه عنه ، والحرّة! وهل خرجت الخوارج ، واعتزلت المعتزلة ، ورفضت الرّوافض ، وافترقت الأمّة علیٰ ثلاث و سبعین فرقة ، الّا بالتّأویل الفاسد.

''اسی (تاویلِ فاسد) نے دین و دنیا کو خراب کیا ہے، یہود و نصاری توراۃ و انجیل کی نصوص کے ساتھ ایسا ہی تو کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے بچنے کا حکم دیا ہے، باطل پرست آج بھی انہی کے نقش قدم پر ڈٹے ہوئے ہیں، اس تاویل نے دین اور دین داروں پر کتنے ہی ظلم ڈھائے ہیں، عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی تاویل فاسد کی وجہ سے ہی شہید کر دیئے گئے، جنگِ جمل، صفین، سانحہ کربلا اور واقعۂ حرہ اسی طرح رونما ہوئے، خوارج اہل السنہ سے اسی وجہ سے نکلے، معتزلی اسی وجہ سے علیحدہ ہوئے، روافضی اسی وجہ سے رافضی ہوئے اور امت اسی تاویل فاسد کی وجہ سے تہتر فرقوں میں بٹی۔''

(شرح العقیدہ الطحاویہ : ۱۸۹)

موصوف مزید لکھتے ہیں:

وأما اذا تأوّل الکلام بما لا یدلّ علیه ولا اقترن به ما یدلّ علیه ، فباخباره بأن هٰذا مراده کذب علیه ، وهو تأویل بالرّای وتوهّم بالهوٰی .

''جب کوئی کسی کلام کی ایسی تاویل کرے، جس پر یہ کلام دلالت ہی نہیں کرتی، نہ اس کا کوئی قرینہ ہو، تو اس تاویل کو، متکلم کی مراد قرار دینا، اس پر بہتان ہے، یہی من پسند تاویل اور نفسانی خواہش ہے۔''

(شرح العقیدہ الطحاویہ : ۱۹۸)

کیا صحیح احادیث، فہم محدثین اور اقوال فقہاء کے خلاف یہ تاویل، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان اور اتباع ہوٰی نہیں ہے؟

اب ایک طرف امام طحاوی حنفی اس روایت کو اجماع و تواتر کے خلاف قرار دے کر، اس پر عمل کو باطل کہہ رہے ہیں، جبکہ اس کے بالکل برعکس کشمیری صاحب بخاری و مسلم کی صحیح و صریح روایت کو اس پر

محمول کرنے کے لئے تاویلیں کر رہے ہیں۔

قارئین! انصاف شرط ہے، بتائیں کہ فقہ حنفی میں امام طحاویؒ کی بات مانی جائے گی یا کشمیری صاحب کی، کوئی مجتہد اس پر مواخذہ کرے، تو کرے، ایک مقلد کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے مجتہد امام کی مخالفت کرے؟ کیا یہ تضاد بیانی نہیں ہے؟

## تاویل نمبر ٥:

**وانّ قصر الصّلاۃ انّما أمرہ اللّٰہ تعالیٰ بہ بعد ذٰلک فکانت الأربع یومئذ مفروضۃ علی رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم.**

''آپ کو نماز میں قصر کرنے کا حکم اللہ تعالی نے اس واقعے کے بعد دیا تھا، اس دن یہ چار رکعتیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھیں اور یہ حکم اب منسوخ ہو چکا ہے۔''

(شرح معانی الآثار للطحاوی: ۲۲۱/۱)

## تبصرہ:

امام طحاوی کی یہ بات درست نہیں، کیونکہ غزوۂ ذاتِ رقاع بالاتفاق کم از کم بھی ۴ھ ہجری میں پیش آیا، اور نمازِ قصر ہجرت کے فوراً بعد نازل ہوگئی تھی۔

حافظ ابن حزم لکھتے ہیں:

**وقد صحّ عن عائشۃ رضی اللّٰہ عنھا أنّ الصّلاۃ أنزلت بمکۃ رکعتین رکعتین، فلمّا ھاجر رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اتمّت صلاۃ الحضر وأقرّت صلاۃ السّفر.**

''عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے باسندِ صحیح ثابت ہے کہ مکہ میں نماز دو دو رکعت نازل ہوئی تھی، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی، تو حضر کی نماز مکمل ہوگئی اور سفر کی وہی برقرار رکھی گئی۔''

(صحیح بخاری: ۱۰۹۰، صحیح مسلم: ٦٨٥، المحلّی لابن حزم: ٤/ ٢٣٥)

نیز لکھتے ہیں:

**فھٰذا آخر فعل رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم، لأنّ أبا بکرۃ شھدہ، وانّما کان اسلامہ یوم الطائف بعد فتح مکۃ وبعد حنین.**

''یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعلِ مبارک ہے، کیونکہ سیدنا ابوبکرہ اس میں حاضر ہوئے ہیں اور وہ فتحِ مکہ اور غزوۂ حنین کے بعد طائف والے دن مسلمان ہو رہے ہیں۔'' (المحلّی: ٤/ ٢٢٧)

## تاویل نمبر ٦ :

امام طحاوی حنفی لکھتے ہیں:

قد یحتمل أن یکون ذٰلک السّلام المذکور فی ھٰذا الموضع ھوسلام التّشھّد الّذی لا یراد بہ قطع الصّلٰوۃ ، ویحتمل أن یکون سلاما اراد بہ اعلام الطّائفۃ الأولٰی بأوان انصرافھا والکلام حینئذ مباح لہ فی الصّلاۃ غیر قاطع لھا .

''یہ بھی احتمال ہے کہ اس حدیث میں دو رکعتوں کے بعد آپ کا مذکورہ سلام، تشہد والا سلام ہو، جس سے نماز سے خارج ہونا مراد نہ ہو، نیز یہ بھی احتمال ہے کہ اس سلام سے پہلی جماعت کو جانے کی خبر کرنا مقصود ہو، ان دنوں نماز میں کلام جائز تھی، نماز کو توڑتی نہ تھی۔'' (شرح معانی الآثار للطحاوی : ۱/۲۲۱)

## تبصرہ :

ہم پیچھے ثابت کر آئے ہیں کہ صلاۃِ خوف کا واقعہ نمازِ قصر نازل ہونے کے بہت مدّت بعد کا ہے۔

حافظ نووی لکھتے ہیں:

وادّعی الطّحاویّ أنّہ منسوخ ولا تقبل دعواہ اذ لا دلیل لنسخہ .

''امام طحاوی نے اس کے منسوخ ہونے کا دعوی کیا ہے، لیکن ان کا یہ دعوٰی قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ نسخ کی کوئی دلیل موجود نہیں۔'' (شرح مسلم از نووی : ۱/ ۲۷۸)

لہٰذا اگر یہاں سلام سے سلامِ تشہد (التحیات میں السلام علیک اور السلام علینا ) مراد لیں ، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قصر میں چار رکعت نماز ثابت ہوگی ، اور احناف کے نزدیک قصر میں چار رکعت یا تو باطل ہے یا اس میں آخری دو نفل ہیں۔

حافظ ابن حزم لکھتے ہیں:

وأبوحنیفۃ یرٰی علٰی من صلّی أربعا وھو مسافر أنّ صلاتہ فاسدۃ ، الّا أن یجلس فی الاثنتین مقدار التّشھّد فتصحّ صلاتہ ، وتکون الرّکعتان اللّتان یقوم الیھما تطوّعا ، فان کان علیہ السلام لم یقعد بین الرّکعتین مقدار التّشھد فصلاتہ عندھم فاسدۃ ، فان أقدموا علٰی ھذا القول کُفِّروا بلا مریۃ ، وان کان علیہ السّلام قعد بین الرّکعتین مقدار التّشھّد فقد صارت الطّائفۃ الثّانیۃ مصلّیۃ فرضھم خلفہ ، وھو علیہ السلام متنفّل ، وھذا قولنا لا قولھم .

''امام ابوحنیفہ کا خیال ہے کہ جو آدمی سفر میں چار رکعتیں پڑھے، اس کی نماز فاسد ہو جائے گی ، ہاں

اگر وہ دو رکعتوں کے بعد تشہد میں بیٹھ گیا، تو اس کی نماز درست ہو جائے گی، لیکن دوسری دو رکعتیں نفل شمار ہوں گی، لہٰذا اگر آپ دو رکعتوں کے بعد تشہد میں نہیں بیٹھے، تو احناف کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نعوذ باللہ فاسد ہوگی، اگر یہ بات کہہ دیں تو بلاشبہ کافر قرار پائیں گے، اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نزدیک دو رکعتوں کے بعد بیٹھے تھے، تو پھر دوسرے گروہ نے آپ کے نفلوں کی اقتداء میں فرض ادا کیے، اس طرح یہ ہماری دلیل بنی نہ کہ ان کی۔'' (المحلّٰی لابن حزم: ٢٢٨/٤)

علامہ زیلعی حنفی لکھتے ہیں:

وعلٰی کلّ حال، فالاستدلال علی الحنفیّة بحدیث جابر صحیح، وان لم یسلّم من الرکعتین، لأنّ فرض المسافر عندھم رکعتان، والقصر عزیمة، فان صلّی المسافر أربعا وقعد فی الأولیٰ صحّت صلاته، وکانت الأخریان له نافلة.

''جو بھی تاویل کی جائے، ہر حال میں جابر کی حدیث سے احناف کے خلاف (متنفل کی اقتداء میں مفترض کی نماز کا) استدلال درست ہے، اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتوں کے بعد سلام نہ بھی پھیرا ہو کیونکہ احناف کے ہاں مسافر پر دو رکعتیں فرض ہیں اور قصر کرنا عزیمت (واجب) ہے، اگر مسافر چار رکعتیں پڑھے اور دو کے بعد بیٹھ جائے، تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن آخری دو رکعتیں نفل ہوں گی، فرض نہیں ہوسکتیں، کیونکہ چار فرض پڑھنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔'' (نصب الرایہ: ٥٧/٢)

**تاویل نمبر ٧**: جناب ابن ترکمانی حنفی لکھتے ہیں:

وھٰذا الحدیث اضطرب فیه الحسن فرواہ مرّة عن جابر ومرّة عن أبی بکرة، ثمّ أخرجه البیھقی من حدیث أبی بکرة ولیس فیه أنه سلّم بعد الرّکعتین الأوّلیین.

''اس حدیث میں حسن بصری کی طرف سے اضطراب واقع ہو گیا ہے، وہ کبھی اسے جابر سے اور کبھی ابوبکرہ سے بیان کرتے ہیں، پھر بیہقی نے ابوبکرہ کی جو حدیث بیان کی ہے، اس میں دو رکعتوں کے بعد سلام مذکور نہیں۔'' (الجوھر النّقی: ٨٦/٣)

**تبصرہ**:

(ا) اضطراب کا دعوٰی فضول ہے، کیونکہ ابوبکرہ اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں اس نماز میں حاضر ہوئے تھے، حسن بصری نے دونوں سے یہ واقعہ نقل کر دیا ہے، اضطراب کیسا؟

(ب) امام طحاوی حنفی تو بالاتفاق فنِ حدیث میں ابن ترکمانی حنفی سے فائق ہیں، انہوں نے اس

حدیث پر بہت سے اعتراضات کئے ہیں، جن کے جواب گزر چکے ہیں، لیکن یہ اعتراض امام طحاوی نے بھی نہیں کیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک بھی اس حدیث میں یہ علت نہیں۔

(ج) علامہ زیلعی حنفی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: أخرجه أبو داود بسند صحيح .

''امام ابوداؤد نے اس حدیث کو باسندِ صحیح بیان کیا ہے۔'' (نصب الرایہ : ۲/۲٤٦)

لہٰذا اضطراب نہ رہا، رہی یہ بات کہ سنن کبریٰ بیہقی میں سیدنا ابوبکرہ کی روایت میں اس سلام کا ذکر نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو بیان کرنے والا ایک راوی ان سے یہ الفاظ بیان نہیں کرتا، دوسرا کر دیتا ہے، تو ائمہ احناف کی تصریح کے مطابق اس صحیح حدیث کے ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہونی چاہیے۔

علامہ زیلعی حنفی سیدنا ابوبکرہ کی اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

واعلم أنّ هٰذا الحديث صريح أنه عليه الصّلاة والسّلام سلّم من الرّكعتين .

''جان لیں کہ ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث اس بات میں صریح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا تھا''۔ (نصب الرایہ : ۲/۲٤٦)

## دلیل نمبر ٤:

سیّد الملائکہ جبریل امین علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ نمازوں میں امامت کی ہے۔ (صحیح بخاری:٤٩٩، صحیح مسلم:٦١٠_٦١١)

اتفاقی بات ہے کہ جبریل امین پر نماز فرض نہیں، کیونکہ وہ شریعت محمدیہ کے مکلّف نہیں ہیں اور غیر مکلّف بچے وغیرہ کی نماز نفل ہوتی ہے، لہٰذا جبریل کی یہ نماز نفل تھی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی فرض نمازیں ان کی اقتداء میں ادا کیں، ثابت ہوا کہ متنفّل کی اقتداء میں مفترض کی نماز ہو جاتی ہے، یہ ایسی دلیل ہے جس کا مقلدین کے پاس کوئی جواب نہیں۔

دوسرے بہت سے مسائل کی طرح دنیائے حنفیّت اس مسئلہ میں بھی دلائل سے بالکل تہی دست ہے، ہمارے ذکر کردہ صریح و صحیح حدیثی دلائل کے برعکس ان کے پاس ایک بھی دلیل ایسی نہیں جس سے متنفّل کی اقتداء میں مفترض کی نماز کا بطلان ظاہر ہوتا ہو، آئندہ قسط میں ان کے مزعومہ دلائل کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

جاری ہے....

# قربانی کے احکام و مسائل:

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

## ذوالحجہ کے عالی شان ایام :

اسلامی کیلنڈر کے آخری مہینے ذوالحجہ کے پہلے دس دن انتہائی بابرکت اور حرمت والے ہیں، ان ایام میں کیے جانے والے نیک اعمال دوسرے دنوں میں کیے گئے اعمالِ صالحہ پر فوقیت وفضیلت رکھتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دوسرے دنوں کی بہ نسبت ان دنوں میں کیا جانے والا نیک عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہوتا ہے، صحابہ کرام نے عرض کی، دوسرے دنوں میں کیا جانے والا جہاد بھی ان دنوں کے عمل سے افضل نہیں؟ فرمایا، جہاد بھی نہیں، ہاں! اگر کوئی آدمی اپنا جان و مال لے کر اللہ کے راستے میں نکلتا ہے اور کچھ واپس نہیں آتا۔'' (صحیح بخاری : ۹٦۹، سنن ابی داؤد : ۲٤۳۸، جامع ترمذی : ۷۵۷، سنن ابن ماجہ : ۱۷۲۷)

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عرفہ کے دن (۹ ذوالحجہ کا) روزہ گزشتہ اور آئندہ دو سالوں کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے۔''

(صحیح مسلم : ۱۱٦۲)

الحاصل ان مبارک دنوں میں نفلی نماز، نفلی روزوں، صدقہ وخیرات، ذکر واذکار، تکبیر وتہلیل اور دیگر نیک اعمال کا اہتمام مولائے رحمٰن ورحیم کی بے پایاں رحمت اور لامتناہی مغفرت کا باعث ہے۔

ان دنوں میں کیے جانے والے مبارک اعمال میں سے ایک عالی مرتبت وعالی مقام عمل ''قربانی'' بھی ہے، جو کہ اسلام کا باکمال اور ممتاز شعار ہے۔

## قربانی

دس ذوالحجہ کے بابرکت دن کا پرامن سورج پیغامِ مسرت لے کر مسکراہٹوں کی کرنیں بکھیرتا ہوا طلوع ہوا، دو رکعت نمازِ عیدالاضحیٰ کی ادائیگی اور خطبۂ عید سننے کے بعد فرزندانِ امتِ مسلمہ گھروں میں پہنچے، عیدالفطر کی طرح محوِ استراحت نہ ہوئے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے رزق میں سے اونٹ، گائے، بکری یا بھیڑ، دنبے کا انتخاب کیا، اس کی لگام کو تھاما، عاجزی وفروتنی اور اللہ ورسول کی اطاعت و

فرمانبرداری کے جذبات سے سرشار ہوکر مخصوص مقام پر پہنچ کر جانور کولٹایا اور ''بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ'' کا نعرہ لگا کر جانور کو اللہ رب العزت کے نام پر ذبح کر کے سنت کو دوام بخشا، اس عمل کی بنیاد خورد ونوش، نمود ونمائش اور ریاکاری نہیں، بلکہ امتِ مسلمہ کا شعارِ اسلام کے ساتھ لگاؤ اور اللہ ورسول کے ساتھ گہری محبت کا نتیجہ ہے۔

## قربانی کا حکم :

ذوالحجہ کے ایامِ قربانی میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مخصوص شرائط کے حامل جانوروں کا خون بہانا شعارِ اسلام اور عظیم عبادت ہے، جسے قربانی کہا جاتا ہے، یہ سنت ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

**من كان له سعة فلم يضح فلا يقربن مصلانا.**

''جو شخص استطاعت وقدرت کے باوجود قربانی نہیں کرتا، وہ ہماری عیدگاہوں کے قریب تک نہ پھٹکے۔'' (مسند احمد : ۲ /۳۲۱، سنن ابن ماجه : ۳۱۲۳، واللفظ له، المستدرك للحاكم : ۲ /۳۹۰، ٤ /۲۳۱، ۲۳۲، وسنده حسن)

اس حدیث کی سند کو امام حاکم نے ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

اس کا راوی عبداللہ بن عیاش القتبانی جمہور کے نزدیک ''موثق، حسن الحدیث'' ہے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں: **حديثه فى عداد الحسن.** (سير اعلام النبلاء : ۷/۳۳٤)

واضح رہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس خدشہ کے پیشِ نظر قربانی چھوڑنا ثابت ہے کہ کہیں لوگ اس کو واجب نہ سمجھ لیں۔ (السنن الكبرى للبيهقى : ۹/۲٦٥، وسنده صحيح)

سیدنا ابومسعود بدری انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

**لقد هممت ان ادع الاضحية وانى لمن ايسركم بها ، مخافة ان يحسب انها حتم واجب.**

''میں تو قربانی ترک کرنے کا ارادہ کرتا ہوں، اس ڈر سے کہ اسے حتمی اور واجب نہ سمجھ لیا جائے، حالانکہ میں تم سب سے بڑھ کر آسانی سے قربانی کر سکتا ہوں۔'' (السنن الكبرى للبيهقى : ۹/۲٦٥، وسنده صحيح)

حافظ ابنِ حجر نے اس اثر کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔

**سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما** (السنن الكبرى للبيهقى : ۹ /۲٦٥، وسنده صحيح) **اور سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ** (المحلى لابن حزم : ۷/۳۵۸، وسنده صحيح ) کے وجوب کے قائل نہیں تھے۔

زیاد بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے قربانی کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا، یہ سنت اور کارِ خیر ہے۔ (صحيح بخارى : ۲ /۸۳۲ تعليقا، تغليق التعليق ؛ ۵/۳، وسنده صحيح)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اسے موصولاً ذکر کر کے اس کی سند کو "جید" قرار دیا ہے۔

امیر المؤمنین فی الحدیث امامِ بخاری اور دیگر محدثین عظام کے نزدیک بھی قربانی سنت ہے۔

امام ابوحنیفہ سے باسندِ صحیح قربانی کو واجب قرار دینا ثابت نہیں ہے، مدعی پر دلیل لازم ہے۔

## قربانی کے جانور کی عمر :

قربانی کے جانور کے لیے دوندا ہونا شرط ہے، جیسا کہ سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

**لا تذبحوا الا مسنّة الا أن يّعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضّان.**

"تم دوندا جانور ہی ذبح کرو، اگر تنگی واقع ہو جائے تو بھیڑ کی نسل سے جذعہ ذبح کر لو۔"

(صحیح مسلم : ۲/۱۵۵، ح : ۱۹۶۳)

حافظ نووی کہتے ہیں کہ علمائے کرام کا کہنا ہے کہ "مُسِنَّة" اس اونٹ یا گائے اور بکری وغیرہ کو کہتے ہیں، جو دوندا ہو، نیز اس حدیث میں یہ وضاحت ہوگئی ہے کہ بھیڑ کی جنس کے علاوہ کسی اور جنس کا "جَذَعَةٌ" جائز نہیں، قاضی عیاض کے بقول اس پر اجماع ہے۔(شرح مسلم للنووی : ۲/۱۵۵)

امام ترمذی فرماتے ہیں: **وقد أجمع أهل العلم أن لا يجزئ الجذع من المعز ، وقالوا : انما يجزئ الجذع من الضان.**

"اہلِ علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ بکری کی جنس کا "جذعہ" قربانی میں کفایت نہیں کرتا، جبکہ بھیڑ کی جنس کا "جَذَعَةٌ" کفایت کرتا ہے۔"(جامع ترمذی تحت حدیث : ۱۵۰۸)

یاد رہے کہ "جَذَعَةٌ" کی عمر میں اختلاف ہے، جمہور ایک سال کے قائل ہیں اور احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے، حافظ نووی لکھتے ہیں:

**والجذع من الضّأن ما له سنة تامّة ، هذا هو الأصح عند أصحابنا ، وهو الأشهر عند أهل اللّغة وغيرهم .**

"بھیڑ کی جنس کا "جَذَعَةٌ" مکمل ایک سال کا ہوتا ہے، ہمارے اصحاب کے نزدیک یہی صحیح تر بات ہے، نیز یہی اہلِ لغت وغیرہ کے ہاں مشہور قول ہے۔"(شرح مسلم للنووی : ۲/۱۵۵)

اس حدیث میں مذکورہ حکم عام ہے، ہر جانور کو شامل ہے، وہ بکری کی جنس ہو یا بھیڑ کی، گائے کی جنس ہو یا اونٹ کی، ان سب کا دوندا ہونا ضروری ہے، وہ صحیح احادیث جن سے بھیڑ کے "جَذَعَةٌ" کی

قربانی کا جواز ملتا ہے، وہ تنگی پر محمول ہیں، یعنی دوندا جانور نہ ملے تو ایک سال کا دنبہ یا بھیڑ ذبح کی جا سکتی ہے، اس طرح تمام احادیث پر عمل ہو جائے گا۔

تنگی کی دو صورتیں ممکن ہیں، ایک دوندے جانور کا دستیاب نہ ہونا اور دوسرے ایسے جانور کو خریدنے کی طاقت نہ ہونا، ایسی صورت میں بھیڑ کا یعنی "جَذَعَةٌ" ایک سال کا دنبہ ذبح کیا جائے گا۔

**تنبیہ**: بعض ناعاقبت اندیش لوگ جانور کو دوندا باور کروانے کے لیے سامنے والے دانت توڑ دیتے ہیں، یہ محض دھوکا اور فریب ہے، ایسے جانور کی قربانی درست نہیں۔

## جانور کی قربانی میں شراکت:

بکرا، بکری، دنبہ اور بھیڑ میں سے ہر ایک جانور صرف ایک آدمی کو کفایت کرتا ہے، ہاں ایک بکرا یا دنبہ تمام اہلِ خانہ کے لیے کافی ہے، دلائل ملاحظہ ہوں:

☆۱ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنبے کی قربانی کی اور فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ ، اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُّحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ .

"اللہ کے نام کے ساتھ (ذبح کرتا ہوں)، اے اللہ! (یہ قربانی) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، آلِ محمد اور امتِ محمد کی طرف سے قبول فرما۔" (صحیح مسلم: ۲/ ۱۵۶، ح: ۱۹۶۷)

اس حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ ایک دنبہ تمام اہلِ خانہ کی طرف سے ذبح کیا جا سکتا ہے، سب کی طرف سے قربانی ادا ہو جائے گی، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دنبہ اپنی طرف سے، اپنی آل کی طرف سے اور اپنی امت کی طرف سے ذبح کیا۔

واضح رہے کہ جب حج کی سعادت حاصل کرنے کے لیے جانے والے حجاجِ کرام منیٰ میں قربانی کریں گے تو ان کے گھر کے بقیہ افراد اس میں شریک نہیں ہوں گے۔

**فائدہ**: امت کی طرف سے قربانی کرنا نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔

☆۲ عطاء بن یسار رحمہ اللہ کہتے ہیں، میں نے سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا: كيف كانت الضّحايا فيكم على عهد رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ؟

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں تمہاری قربانیاں کیسی ہوتی تھیں؟"

تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

كان الرّجل في عهد النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم يضحّي بالشّاة عنه وعن أهل بيته فيأكلون و يطعمون ، ثمّ تباهى النّاس فصار كما ترىٰ .

"آدمی عہدِ نبوی میں ایک بکری کی قربانی اپنی طرف سے اور اپنے اہلِ خانہ کی طرف سے کرتا تھا، وہ خود بھی گوشت کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے ، بعدازاں لوگ (قربانی کرنے میں) باہم فخر ومباہات کرنے لگ گئے، جن کی (ناگفتہ بہ) حالت آپ کے سامنے ہے۔"

(مؤطا امام مالك برواية يحيى : ٢/ ٤٨٦، جامع ترمذی : ١٥٠٥، سنن ابن ماجه : ٣١٤٧ واللفظ له ، السنن الكبرى للبيهقى : ٢٦٨/٩، وسنده صحيح) امامِ ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو "حسن صحیح" کہا ہے۔

☆۳ عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

كان رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم يضحّي بالشّاة الواحدة عن جميع أهله .

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اور اپنے اہلِ خانہ کی طرف سے ایک بکری قربانی کرتے تھے۔"

(المستدرك للحاكم : ٣/ ٤٥٦، ٤/ ٢٢٩ واللفظ له ، السنن الكبرى للبيهقى : ٩/ ٢٦٨، الآحاد والمثانى لاحمد بن عمرو : ٦٧٩، وسنده صحيح)

امامِ حاکم نے اس حدیث کو "صحیح" کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

☆٤ ابوسریحہ الغفاری حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میرے گھر والوں نے مجھے زیادتی پر اکسایا، بعد اس کے کہ میں نے سنت کو جان لیا تھا کہ اہلِ خانہ ایک یا دو بکریاں قربانی کے لیے ذبح کرتے تھے، (اب ہم ایسا کریں) تو ہمارے پڑوسی ہمیں کنجوس کہتے ہیں۔"

(سنن ابن ماجه : ٣١٤٨ واللفظ له ، المستدرك للحاكم : ٤/ ٢٢٨، السنن الكبرى للبيهقى : ٩/ ٢٦٩، شرح معانى الآثار للطحاوى : ٤/ ١٧٤، المعجم الكبير للطبرانى : ٣٠٥٦، ٣٠٥٧ ، ٣٠٥٨ ، وسنده صحيح)

اس حدیث کی سند کو امامِ حاکم نے "صحیح" کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، علامہ سندی حنفی لکھتے ہیں: اسناده صحيح ورجاله موثّقون.

"اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راویوں کی توثیق بیان کی گئی ہے۔" (حاشية السندى على ابن ماجه)

## اونٹ میں شراکت:

ایک اونٹ میں دس حصہ دار شریک ہو سکتے ہیں، جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں عید الاضحیٰ کے موقع پر ایک اونٹ میں دس

اورایک گائے میں سات آدمی شریک ہوئے۔

(مسند الامام احمد : ۲۴۸۸، السنن الکبری للنسائی : ۴۱۲۳، ۴۳۹۲، ۴۴۸۲، جامع ترمذی : ۹۰۵، سنن ابن ماجہ : ۳۱۳۱، المستدرك للحاكم : ۴/ ۲۳۰، السنن الکبری للبیہقی : مشکل الآثار للطحاوی : ۳/ ۲۴۵، شرح السنۃ للبغوی : ۱۱۳۲، وسندہ حسن)

اس حدیث کو امام ترمذی نے ''حسن غریب'' امام ابنِ حبان (۴۰۰۷) نے ''صحیح'' اور امامِ حاکم نے ''صحیح علیٰ شرط البخاری'' کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ اونٹ میں دس آدمی حصہ ڈال سکتے ہیں، اس کے تعارض میں ایک روایت ہے، سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ ہم حدیبیہ والے سال نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی کی، ایک اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیا اور ایک گائے بھی سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کی گئی۔(صحیح مسلم : ۱/ ۴۲۴، ح : ۱۳۱۸)

اس حدیث کو ''ہدی'' (منیٰ میں جانے والی قربانی) پر محمول کریں تو ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے مخالفت ختم ہو جاتی ہے، یعنی منیٰ میں حجاجِ کرام ایک اونٹ میں سات آدمی شریک ہوں گے، جبکہ دیگر لوگ ایک اونٹ کو دس آدمیوں کی طرف سے ذبح کر سکتے ہیں۔

## جانور کے عیوب:

قربانی کا جانور درجِ ذیل عیوب ونقائص سے سالم ہونا چاہیے:

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

**أربع لا تجوز فی الأضاحی : العوراء بیّن عورها ، والمریضة بیّن مرضها ، والعرجاء بیّن ظلعها ، والکبیر الّتی لا تُنقی .**

''چار قسم کے جانوروں کی قربانی کرنا جائز نہیں: (۱) کانا جانور، جس کا کانا پن ظاہر ہو، (۲) بیمار جانور، جس کی بیماری ظاہر ہو، (۳) لنگڑا جانور، جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو اور (۴) شکستہ ولاغر جانور، جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔'' (مسند احمد ۴ / ۸۴ ، سنن ابی داؤد : ۲۸۰۲ ، سنن النسائی : ۴۳۷۴ ، جامع ترمذی : ۱۴۹۷ ، سنن ابن ماجہ : ۳۱۴۴ ، وسندہ صحیح)

اس حدیث کو امامِ ترمذی ، امام ابنِ خزیمہ (۲۹۱۲) ، امام ابنِ حبان (۵۹۱۹، ۵۹۲۲) ، امام ابن الجارود (۴۸۱) اور امامِ حاکم (۱/ ۴۶۷-۴۶۸) نے ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

جانور خریدنے کے بعد ان عیوب میں سے کوئی عیب پیدا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

**ان كان أصابها بعد ما اشتريتموها فامضوها وان كان أصابها قبل أن تشتروها فأبدلوها**

''اگر خریدنے کے بعد عیب پیدا ہو تو قربانی کر دو، لیکن اگر عیب پہلے سے موجود ہو تو اسے بدل لو۔''

(السنن الکبری للبیہقی : ۲۸۹/۹ ، وسندہ صحیح)

امامِ زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

**اذا اشترى رجل أضحية فمرضت عنده أو عرض لها مرض فهي جائزة .**

''جب آدمی قربانی کا جانور خرید لے، پھر بعد میں وہ بیمار ہو جائے تو اس کی قربانی جائز ہے۔''

(مصنف عبدالرزاق : ۳۸٦/٤ ، ح: ۸۱٦۱ ، وسندہ صحیح)

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (قربانی کے) جانور کی آنکھیں اور کان بغور دیکھنے کا حکم دیا۔

(مسند الامام احمد : ۱ /۱۰۵، سنن النسائی : ۷ /۲۱۳، ح : ٤۳۸۱،

سنن ترمذی : ۱۵۰۳، سنن ابن ماجہ :۳۱٤۳، وسندہ حسن )

اس کو امام ترمذی نے ''حسن صحیح'' اور امام ابنِ خزیمہ (۲۹۱٤) اور امام حاکم نے ''صحیح'' کہا ہے۔

یہ حکم واجبی نہیں، بلکہ ندب و ارشاد پر محمول ہے۔

نیز سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کان کٹے ہوئے اور سینگ ٹوٹے ہوئے جانور کی قربانی سے منع فرمایا۔

(سنن ابی داؤد : ۲۸۰۵، سنن نسائی : ٤۳۸۲، سنن ترمذی : ۱۵۰۳، سنن ابن ماجہ : ۳۱٤۵، وسندہ حسن)

امامِ ترمذی نے اس کو ''حسن صحیح'' کہا ہے، نسائی وغیرہ میں شعبہ نے قتادہ سے بیان کیا ہے۔

یاد رہے کہ یہ نہی تحریمی نہیں، بلکہ تنزیہی ہے، کان اور سینگوں میں تھوڑا بہت نقص مضر نہیں۔

## تنبیہ:

قربانی کے جانور کا خصی ہونا عیب نہیں ہے، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دو خصی مینڈھوں کی قربانی کی ہے۔(مسند الامام احمد : ۳ /۳۷۵، سنن ابی داؤد : ۲۷۹۵، سنن ابن ماجہ : ۳۱۲۱، وسندہ حسن)

امام ابنِ خزیمہ (۲۸۹۹) نے اس حدیث کو ''صحیح'' کہا ہے، ابنِ اسحاق نے سماع کی تصریح کر رکھی ہے اور ابنِ خزیمہ نے راوی ابو عیاش کی توثیق کی ہے، ایک جماعت نے اس سے روایت کی ہے۔

پیدائشی طور پر سینگوں کا نہ اگنا قطعی طور پر عیب نہیں۔

## متفرق احکام:

......قربانی کا ارادہ رکھنے والے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ذوالحجہ کا چاند نظر آنے سے لے کر قربانی کرنے تک نہ اپنے بال کاٹے اور نہ ناخن تراشے۔(صحیح مسلم : ۲/ ۱٦٠، ح : ۱۹۷۷)

......یادر ہے کہ جس آدمی کو قربانی کرنے کی استطاعت نہ ہو،لیکن وہ ذوالحجہ کا چاند نظر آنے سے پہلے سر کے بال اور مونچھیں کاٹ لیتا ہے، ناخن تراش لیتا ہے اور دوسری ضروری صفائی کر لیتا ہے اور پھر قربانی تک اس سے پرہیز کرتا ہے،تو اسے قربانی کا پورا اجر وثواب ملے گا۔

(مسند الامام احمد : ۲ /۱٦۹، سنن ابی داؤد : ۲۷۸۹، سنن نسائی : ٤٣٦٥، وسندہ حسن)

امام ابنِ حبان(٥٩١٤) ،امام حاکم(٤ /٢٢٣) ،اور حافظ ذہبی نے اس حدیث کو ''صحیح'' کہا ہے۔

......قربانی کی استطاعت کے لیے زکوٰۃ کے نصاب کی شرط لگانا بے بنیاد ہے، ہر مسلمان اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اپنی صورتِ حال کو سامنے رکھ کر قربانی کی استطاعت کے ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرے۔

......بیک وقت ایک آدمی ایک سے زائد قربانیاں کرسکتا ہے۔

......قربانی کرتے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے:بِسْمِ اللّٰهِ ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ (صحیح مسلم : ۱۹٦٦) اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّيْ وَمِنْ أَهْلِيْ.(صحیح مسلم : ۱۹٦۷، استدلالًا)

''اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ (ذبح کرتا ہوں)اور اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! (یہ قربانی) میری طرف سے اور میرے اہل کی طرف سے قبول فرما۔''

......عورت اپنے ہاتھ سے قربانی کا جانور ذبح کرسکتی ہے،خواہ ایامِ مخصوصہ ہی کیوں نہ ہوں۔

......قربانی کے جانور کا گوشت ،سری پائے اور کھال یا چمڑا وغیرہ قصاب کو بطورِ اجرت دینا ممنوع ہے، قصاب کو اپنی جیب سے اجرت دی جائے۔

......قربانی کے گوشت میں مساکین وفقراء کا حق ہے، جو انہیں ملنا چاہیے،اس حق کی مقدار مقرر نہیں، بقیہ گوشت جو ذخیرہ کیا جاسکتا ہے۔(صحیح بخاری : ٥٥٦۹)

......قربانی کی کھال کا وہی مصرف ہے، جو اس کے گوشت کا ہے، لہٰذا وہ کھال کسی حق دار (مسکین و محتاج) کو دی جاسکتی ہے۔(صحیح بخاری : ۱۷۱۷، صحیح مسلم : ۱۳۱۷) یا اپنے ذاتی استعمال میں لائی جا سکتی ہے۔(صحیح مسلم : ۱۹۷۱)

یادر ہے کہ قربانی کے جانور کا کوئی حصہ نہ فروخت کیا جاسکتا ہے اور نہ اپنی ذاتی خدمت کے عوض کسی کو

دیا جاسکتا ہے اور اگر کھال فروخت کرنا پڑے تو اس کی قیمت مساکین وفقراء کو دے دی جائے۔

......ایک آدمی نے قربانی کی نیت سے جانور پالا ہوا تھا، وہ وقت سے پہلے مرگیا، گم ہوگیا یا وہ وقت پر دودندا نہیں ہوا تو اس صورت میں اگر اس کو دوسرا جانور قربانی کرنے کی استطاعت ہے تو ٹھیک، ورنہ وہ قربانی نہ کرنے کی وجہ سے گناہگار؟

......ذبح کے وقت بہنے والا خون حرام ہے، اس کے علاوہ حلال جانور کے تمام اعضاء حلال ہیں، جبکہ حنفیوں، دیوبندیوں کے نزدیک حلال جانور میں سات چیزیں حرام ہیں، جس روایت کو دلیل بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، وہ انقطاع کی وجہ سے ''ضعیف'' اور ناقابلِ حجت ہے۔

......میت کی طرف سے قربانی کرنا ثابت نہیں، اگر کوئی ایسا عمل کرتا ہے تو وہ صدقہ ہوگا نہ کہ قربانی، نیز اس کا سارا گوشت تقسیم کردیا جائے گا۔

......اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔(صحیح مسلم : ٣٦٠)

## یوم عرفه(نو ذوالحجه)سے ایام تشریق کے آخر تک تکبیرات:

یومِ عرفہ (نو ذوالحجہ) کی نمازِ فجر سے لے کر تیرھویں ذوالحجہ کی شام تک فرضی نمازوں کے دیگر اذکار کے ساتھ یہ تکبیرات بھی پڑھنی چاہئیں، ان دنوں کے عام اوقات میں بھی یہ تکبیرات پڑھیں۔

امام ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ مسلمان نو ذوالحجہ کو فرض نماز کے بعد قبلہ کی طرف منہ کرکے یہ تکبیرات پڑھتے تھے: اللّٰہ أکبر ، اللّٰہ أکبر ، لا الٰہ الّا اللّٰہ ، و اللّٰہ أکبر ، وللّٰہ الحمد.

''اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، اللہ سب سے بڑا ہے، تعریف وثناء بھی اسی ہی کی ہے۔''(مصنف ابن ابی شیبه : ١٦٧/٢، وسنده صحیح)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نو ذوالحجہ کی نمازِ فجر سے لے کر تیرھویں ذوالحجہ کی شام تک یہ تکبیرات پڑھتے تھے: اللّٰہ أکبر کبیراً ، اللّٰہ أکبر کبیراً ، اللّٰہ أکبر وأَجلُّ ، اللّٰہ أکبر وللّٰہ الحمد.

''اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، وہ انتہائی عظمت والا ہے، وہ سب سے بڑا ہے، تعریف بھی اسی ہی کی ہے۔''(مصنف ابن ابی شیبه : ١٦٧/٢، وسنده صحیح)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ الفاظ بھی ثابت ہیں:

اللّٰہ أکبر ، اللّٰہ أکبر ، اللّٰہ أکبر ، وللّٰہ الحمد ، اللّٰہ أکبر وأَجَلُّ ، اللّٰہ أکبر علٰی ما ھَدانا.

''اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اسی کی تعریف ہے، اللہ سب

سے بڑا ہے، وہ انتہائی عظمت والا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اس وجہ سے کہ اس نے ہمیں ہدایت دی۔"

(السنن الکبری للبیہقی: ۳/۳۱۵، وسندہ صحیح)

ابوعثمان نہدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیں تکبیرات کے کلمات سکھاتے تھے، کہتے تھے کہ ان کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو:

اَللّٰہُ أَکْبَرُ ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ کَبِیْرًا ، اَللّٰھُمَّ أَنْتَ أَعْلٰی وَأَجَلُّ مِنْ أَنْ تَکُوْنَ لَکَ صَاحِبَۃٌ أَوْ یَکُوْنَ لَکَ وَلَدٌ أَوْ یَکُوْنَ لَکَ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ أَوْ یَکُوْنَ لَکَ وَلِیٌّ مِنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْہُ تَکْبِیْرًا، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا ، اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنَا.

"اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! تو اس سے اعلیٰ واجل ہے کہ تیری کوئی بیوی ہو یا تیری اولاد ہو یا بادشاہی میں تیرا کوئی شریک ہو یا عاجزی وکمزوری کی وجہ سے تیرا کوئی مددگار رہو، اس اللہ کو جان کر اس کی بڑائی بیان کرتے رہو، اے اللہ! ہمیں معاف فرما، اے اللہ! ہم پر رحم فرما!"

(السنن الکبری للبیہقی: ۳/۳۱۶، وسندہ صحیح)

امام حسن بصری رحمہ اللہ یہ تکبیرات پڑھتے تھے: اللّٰہ أکبر ، اللّٰہ أکبر ، اللّٰہ أکبر .

"اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔"

(السنن الکبری للبیہقی: ۳/۳۱۶، وسندہ صحیح)

یاد رہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تکبیرات ثابت پڑھنا ثابت نہیں، سنن دارقطنی (۲/ ۵۰) والی روایت سخت ترین "ضعیف" ہے، اس میں عمرو بن شمر راوی "متروک وکذاب" موجود ہے۔

جس روایت میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ تکبیرات پڑھتے تھے:

اللّٰہ أکبر ، اللّٰہ أکبر ، لا الہ الّا اللّٰہ ، واللّٰہ أکبر ، اللّٰہ أکبر ، وللّٰہ الحمد.

اس کی سند ابواسحاق السبیعی کی تدلیس کی وجہ سے "ضعیف" ہے۔(دیکھیں مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۱٦۷)

## تنبیہ:

شقیق بن سلمہ سے روایت ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نو ذوالحجہ کو نمازِ فجر سے لے کر آخری یومِ تشریق (تیرہ ذوالحجہ) کو نمازِ عصر کے بعد تک تکبیرات پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/٦۵، وسندہ صحیح)

سیدنا علی کے اس فعلِ مبارک کے خلاف صاحبِ ہدایہ وغیرہ نے امام ابوحنیفہ کا مذہب نقل کیا ہے کہ یومِ عرفہ (نو ذوالحجہ) کی فجر سے عید کی عصر تک تکبیرات ہیں۔(الہدایۃ: ۱/ ۱۷۴۔۱۷۵)

## فائدہ :

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل جو مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۱٦٥) میں ہے، ابو اسحاق کی تدلیس کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے، لہٰذا امام ابوحنیفہ کا مذہب بے دلیل اور ضعیف ہے۔

## ایامِ قربانی :

قربانی کے تین دن ہیں، جیسا کہ:

۱......سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: **النّحر ثلاثة أيام.** یعنی: ''قربانی تین دن ہے۔''

(أحكام القرآن للطحاوی : ۲ /۲۰۵، وسنده صحيح)

۲......سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

**النّحر يومان بعد النحر وأفضلها يوم النّحر.**

''دسویں ذوالحجہ کے بعد قربانی کے دو دن ہیں، دسویں ذوالحجہ کو قربانی کرنا افضل ہے۔''

(أحكام القرآن للطحاوی : ۲ /۲۰۵، وسنده حسن)

۳......سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ قربانی دسویں ذوالحجہ کے بعد دو دن ہے۔

(مؤطا امام مالك :؟؟ وسنده صحيح)

۴......سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

**الأضحٰی يوم النّحر ويومان بعده .**

''قربانی دسویں ذوالحجہ اور اس کے بعد دو دن ہے۔''

(السنن الكبرى للبيهقى : ۲۹۷/۹، المحلى لابن حزم : ۷ /۳۷۷، وسنده صحيح)

۵......سلیمان بن موسیٰ الاشدق تابعی نے کہا کہ قربانی کے تین دن ہیں، تو امام مکحول تابعی کہنے لگے، انہوں نے سچ کہا ہے۔(السنن الكبرى للبيهقى : ۲۹۷/۹، وسنده حسن)

## فائدہ :

یاد رہے کہ مسند احمد وغیرہ میں موجود یہ حدیث:

**كل أيّام التّشريق ذبحٌ .**

''ایامِ تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحجہ) سارے کے سارے قربانی کے دن ہیں۔''

انقطاع کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

# حدیثِ مصرّاۃ

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

**لا تصرّوا الابل والغنم ، فمن ابتاعها بعد فانه بخیر النظرین بعد ان یحتلبها ، ان شاء امسک وان شاء ردھا وصاع تمر .**

''(خریدار کو دھوکا دینے کے لیے) اونٹنیوں اور بکریوں کا دودھ نہ روکو، جو ایسا جانور خرید بیٹھے، وہ دو باتوں میں سے ایک کا اختیار رکھتا ہے، چاہے تو اسے اپنے پاس رکھ لے اور چاہے تو اسے مالک کی طرف لوٹا دے، ساتھ کھجوروں کا ایک صاع بھی دے۔''

(صحیح بخاری : ۱ /۲۸۸، ح : ۲۱۳۸، صحیح مسلم : ۲ /٤_٥ ، ح : ۱٥۲٤)

صحیح مسلم کی روایت میں ہے:

**من اشتری شاۃ مصراۃ فھو بالخیار ثلاثۃ ایام ، فان ردھا ، رد معھا صاعا من طعام ، لا سمراء .**

''جو دودھ روکی ہوئی بکری خرید لے، وہ تین دن (واپس کرنے کا) اختیار رکھتا ہے، اگر واپس کرے تو اس کے ساتھ طعام (کھجور) کا ایک صاع بھی دے، نہ کہ گندم کا۔''

''مُصَرَّاۃٌ'' سے مراد وہ جانور ہے، جس کا دودھ اس کے تھنوں میں روک دیا گیا ہو۔

اگر کوئی شخص بکری یا اونٹ وغیرہ کو بیچنے کے ارادے سے خریدار کو دودھ زیادہ باور کروانے کے لیے ایک دو دن تھنوں میں دودھ روکے رکھے تو یہ کام ناجائز و حرام اور دھوکا ہے، یہ اقدام اس جانور کو عیب دار بنا دیتا ہے، اگر کوئی غلطی سے ایسا جانور خرید لے اور بعد میں اسے پتا چل جائے تو تین دن کے اندر واپس لوٹانے کا مجاز ہے، لیکن جب جانور واپس لوٹائے گا تو جو دودھ پیا ہے، اس کے عوض ایک صاع (دو سیر چار چھٹانک) کھجور دے گا۔

آلِ تقلید کے نزدیک یہ متفق علیہ حدیث متروک اور ناقابلِ عمل ہے، اس کو مہمل ثابت کرنے کے لیے ان سے کئی خرافات و ہفوات صادر ہوئی ہیں، جنہیں سن کر اہلِ کتاب بھی شرما جائیں، برا ہو اس مؤنث تقلیدِ ناسدید کا جو ہمہ وقت برائی کو جنم دیتی رہتی ہے، اس نے علم و عمل کا جنازہ اٹھا دیا، عمل بالحدیث

کوشدید افراتفری اور سنگین گمراہی قرار دیا، جیسا کہ جناب تقی عثمانی دیو بندی لکھتے ہیں:

''اگر ایسے مقلد کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ وہ کوئی حدیث اپنے امام کے مسلک کے خلاف پا کر امام کے مسلک کو چھوڑ سکتا ہے تو اس کا نتیجہ شدید افراتفری اور سنگین گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔''

(تقلید کی شرعی حیثیت از تقی : ۸۷)

جناب اشرف علی تھانوی دیو بندی آلِ تقلید کی شقاوت وضلالت کا یوں تذکرہ کرتے ہیں:

''اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے، ان کے قلب میں انشراح وانبساط نہیں رہتا، بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو اور خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرت مذہب کے لیے تاویل ضروری سمجھتے ہیں، دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح پر عمل کر لیں۔''

(تذکرۃ الرشید از عاشق الٰہی دیوبندی :۱ / ۱۳۱)

جن کے سینوں میں امتی کے قول کے خلاف کوئی آیت یا حدیث سن کر نہ صرف تنگی اور گھٹن پیدا ہو، بلکہ دل سے نفرت وانکار کے شعلے بلند ہوں، وہ دینِ اسلام کے خیر خواہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ ایسوں کو اہلِ سنت کہلانے سے عار کیوں نہیں؟

آلِ تقلید نے حدیثِ مصراۃ سے جو نار واسلوک کیا ہے، وہ ملاحظہ فرمائیں:

## اعتراض نمبر ا:

حنفی اصولِ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حدیثِ مصراۃ میں جو ایک صاع کھجوروں کا ادا کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے، اس کے اور دودھ کے درمیان کوئی توازن نہیں، یہ قیاس کے خلاف ہے، راویٔ حدیث ابو ہریرہ غیر فقیہ ہیں "**وعلی هذا ترک اصحابنا روایة ابی هریرة فی مسالة المصراة بالقیاس.**

''اس بنا پر ہمارے اصحاب نے مسئلہ مصراۃ میں ابو ہریرہ کی حدیث کو نا قابلِ عمل قرار دیا ہے۔''

(دیکھیں نور الانوار : ۱۸۳، اصول الشاشی : ۷۵)

## جواب:

ا☆ حدیثِ ابی ہریرہ مسئلہ مصراۃ میں نص ہے، نص یعنی واضح دلیل کے مقابلے میں قیاس کرنا شیطان لعین کا کام ہے، لہٰذا ان کا قیاس بھی شیطان کے قیاس کی طرح باطل و مردود ہے، امام محمد بن

سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أول من قاس ابلیس. :''(دلیل کے مقابلے میں) سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ : ١٤/ ٨٦، وسندہ حسن)

تقلید پرستوں کا یہ کہنا کہ یہ حدیث قیاس کے خلاف ہے، دراصل منکرینِ حدیث کی تائید ہے، وہ بھی کتنی ہی احادیث کے رد میں یہی طریقہ اپناتے ہیں، جب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فیصلہ سنا دیا ہے کہ تین دن کے اندر اندر جانور واپس کرے اور جتنا دودھ بھی پی لیا ہے، اس کے بدلے ایک صاع کھجور ادا کرے، اب یہ کہنا کہ یہ نبوی فیصلہ قیاس کے خلاف ہے، دودھ اور کھجوروں میں توازن نہیں، واضح انکارِ حدیث ہے۔ یہاں صحیح حدیث کے خلاف قیاس محض ابلیسی چال ہے۔

جیسا کہ جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی کہتے ہیں:

وهذا الجواب باطل لا یلتفت الیه . یعنی: ''یہ جواب باطل اور نا قابلِ التفات ہے۔''

(فیض الباری : ٣/ ٢٣)

☆٢ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غیر فقیہ کہہ کر حدیث کو متروک قرار دینے والوں کو معلوم نہیں کہ یومِ حساب آنے والا ہے، حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''جس نے حدیث پر اس بنا پر طعن کیا کہ اس کے راوی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقیہ نہیں تھے، لہٰذا قیاس کے خلاف ہونے کی وجہ سے نا قابلِ عمل ہے، وهو كلام آذى قائله به نفسه . (اس نے یہ بات کہہ کر اپنے آپ کا ہی نقصان کیا ہے)۔'' (فتح الباری : ٤/ ٣٦٤)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

قلت : والمعتزلة تقول : لو أن المحدّثين تركوا ألف حديث فى الصّفات والأسماء والرؤية والنزول لأصابوا ، والقدرية تقول : لو أنهم تركوا سبعين حديثا فى اثبات القدر ، والرافضة تقول : لو أن الجمهور تركوا من الأحاديث التى يدّعون صحتها ألف حديث لأصابوا ، وكثير من ذوى الرّأى يروون أحاديث شافه بها الحافظ المفتى المجتهد أبوهريرة رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، ويزعمون أنه ما كان فقيها ، ويأتوننا بأحاديث ساقطة ، أو لا يعرف لها اسناد أصلا محتجّين بها .

قلنا : وللكل موقف بين يدى اللّٰه تعالىٰ : ياسبحان اللّٰه ! أحاديث رؤية اللّٰه فى الآخرة متواترة والقرآن مصدّق لها ، فأين الانصاف ؟

''معتزلہ کہتے ہیں کہ اگر محدثین اسماء وصفات، رؤیت اور نزولِ باری تعالیٰ کے بارے میں ایک ہزار احادیث چھوڑ دیتے تو درست کرتے، قدریہ کہتے ہیں کہ اگر محدثین اثباتِ قدر کے بارے میں مروی ستر احادیث چھوڑ دیتے تو اچھا کرتے، رافضی کہتے ہیں کہ اگر جمہور وہ ہزار حدیث چھوڑ دیں، جن کی صحت کے وہ دعوے دار ہیں تو اچھا کریں گے، اکثر اہل الرائے ایسی احادیث کو بیان کرتے ہیں، جن کو الحافظ، المفتی، المجتہد امام ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلا واسطہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، پھر کہتے ہیں کہ وہ فقیہ نہیں تھے، خود دلیل کے طور پر من گھڑت احادیث یا بلا سند روایات پیش کرتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے، آخرت میں رؤیتِ باری تعالیٰ کی احادیث تو متواتر ہیں اور قرآن ان کی تصدیق کرتا ہے، (ان کا انکار کرنے میں) انصاف کہاں ہے؟''

(سیر أعلام النبلاء للذہبی: ١٠/ ٤٥٥)

## سیدنا أبو ھریرہ کی عالیشان کرامت:

قاضی ابو الطیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم جامع منصور میں ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک خراسانی نوجوان آیا، اس نے جانور کے تھنوں میں دودھ روکنے کے مسئلے میں استفتاء کیا تو ایک محدث نے اس مسئلے میں سیدنا ابو ہریرہ کی بیان کردہ حدیث پیش کی تو وہ خبیث بولا، ابو ہریرہ کی حدیث قبول نہیں، قاضی ابو الطیب نے فرمایا، اس نوجوان نے ابھی اپنی بات پوری نہیں کی تھی کہ جامع مسجد کی چھت سے ایک بہت بڑا سانپ گرا، لوگ بھاگنے لگے اور وہ نوجوان بھی اس سانپ کے آگے دوڑنے لگا، بعد میں یہ سانپ غائب ہو گیا۔ (المنتظم لابن الجوزی: ١٧/ ١٠٦، وسندہ صحیح)

٣☆ فقیہ الامت سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ بھی حدیثِ ابی ہریرہ کے موافق ہے:

**من اشتری شاۃ محفلۃ فردھا ، فلیردھا معھا صاعا من تمر .**

''جو شخص دودھ روکی ہوئی بکری خرید بیٹھے اور پھر اسے واپس کرنا چاہے، وہ اس کے ساتھ کھجوروں کا ایک صاع واپس کرے۔'' (صحیح بخاری: ١/ ٢٨٨، ح: ٢١٤٩)

سیدنا ابنِ مسعود کے اس فتوے کا کیا جواب ہے، جو فرمانِ نبوی کے عین مطابق ہے؟

جناب محمود الحسن دیوبندی ''اسیرِ مالٹا'' لکھتے ہیں:

''مصراۃ کی حدیث کا جو جواب صاحبِ نور الانوار دیتے ہیں، وہ ہرگز درست نہیں، کیونکہ اگر ابو ہریرہ غیر فقیہ تسلیم کر لیے جائیں تو ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت جس کو بخاری نے تخریج کیا

ہے،اس کا کیا جواب ہوگا؟'' (تقارير شيخ الهند : ١٤٣)

جناب انورشاہ کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں:

''ومن يجترئ على ابى هريرة فيقول : انه كان غير فقيه ؟ ولو سلمنا ، فقد يرويه افقهم اعنى ابن مسعود ايضا ، فيعود المحذور.

''کون سیدنا ابو ہریرہ کے خلاف جسارت کر کے یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ غیر فقیہ تھے؟ اگر ہم اس بات کو تسلیم کر بھی لیں تو فقیہ صحابہ یعنی سیدنا ابنِ مسعود نے بھی اسے بیان کیا ہے،لہٰذا اعتراض پھر لوٹ آیا۔''

(فيض البارى : ٢٣١/٣)

## اعتراض نمبر ۲:

جناب حسین احمد مدنی دیوبندی لکھتے ہیں:

''آپ کا یہ فیصلہ بطورِ قاعدہ کلیہ نہیں ہے، بلکہ ایک جزئی واقعہ میں آپ نے اسے فرمایا تھا، راوی نے روایت بالمعنیٰ کے طور پر اسے قاعدہ کلیہ بنالیا، بہرحال چوں کہ روایتِ مصراۃ قواعدِ کلیہ کے خلاف ہے۔۔۔۔'' (تقريرِ ترمذى از حسين احمد : ٦٧٨)

## جواب:

یہ سخت مغالطہ ہے اور شریعتِ اسلامیہ کو مشکوک قرار دینے کی مذموم سازش ہے، نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان ''من اشترى شاة'' میں'' من ''عموم کے لیے ہے، یہ حکم کلی طور پر عام ہے، سیدنا ابنِ مسعود کا فتوی بھی اس بات کی عکاسی کرتا ہے۔

علامہ ابنِ حزم فرماتے ہیں:

قالوا : هو مخالف الأصول ، فقلنا : كذبتم ، بل هو أصل من كبار الأصول ، وانّما المخالف للأصول قولكم فى الوضوء من القهقهة فى الصلاة خاصة ، وقولكم بأن القلس لا ينقض الوضوء أصلا ، الا اذا كان ملأ الفم ، وقولكم فى جعل الآبق أربعون درهما اذا كان على مسيرة ثلاث ، وقولكم فى عين الدّابة ربع ثمنها ، والوضوء بالخمر ، وسائر تلك الطّوام التى هى بالمضاحك ربما يأتى به المبرسم أشبه منها بشرائع الاسلام.

''احناف کا کہنا ہے کہ یہ حدیث اصول (قیاس) کے خلاف ہے، ہم کہتے ہیں کہ یہ تو تمہارا جھوٹ ہے، بلکہ یہ حدیث (اسلام کے) عظیم الشان اصولوں میں سے ایک اصول ہے، قیاس کے خلاف تو

تمہاری یہ بات ہے کہ صرف نماز میں قہقہہ ناقضِ وضو ہے اور یہ بات کہ قے منہ بھر کر نہ ہو تو بالکل ناقضِ وضو نہیں، نیز یہ کہنا کہ اگر غلام تین دن کی مسافت بھاگ گیا ہو تو اس پر چالیس درہم (جرمانہ) ہے، جانور کی آنکھ (ضائع کرنے) میں اس کی کل قیمت کا چوتھائی حصہ (جرمانہ) ہے اور شراب (پختہ نبیذ) سے وضو وغیرہ جیسے اور بھی کئی مضحکہ خیز مسائل ہیں کہ بسا اوقات پاگل آدمی بھی ان سے بڑھ کر اسلامی اصولوں سے ملتی جلتی بات کر دیتا ہے۔" (المحلی: ٦/٦٧۔٦٨)

## اعتراض نمبر ٣:

جناب حسین احمد "مدنی" دیوبندی شریعت کا یوں مذاق اڑاتے ہیں:

"تو جب دودھ ملکِ مشتری (خریدار کی ملکیت) ہے، کیونکہ کھلایا پلایا اس نے ہے، تو اب اس سے ایک صاع کا مطالبہ کرنا کہاں کا انصاف ہے؟" (تقریر ترمذی از حسین احمد: ٦٧٧)

## جواب:

یہ فیصلہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، آپ کا ہر فیصلہ عدل وانصاف پر مبنی ہے، مومنوں کو چاہیے کہ وہ اللہ ورسول کا ہر فیصلہ دل وجان سے قبول کریں، ضدی اور معاندنہ بنیں، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (الأحزاب: ٣٦)

"کسی مومن مرد اور عورت کے لیے جائز نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دیں تو اس کے لیے کوئی اختیار باقی رہے، جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے، وہ واضح گمراہ ہو گیا۔"

## اعتراض نمبر ٤:

نیز کہتے ہیں:

"امام صاحب (ابوحنیفہ) فرماتے ہیں کہ یہ تصریہ (جانور کے تھنوں میں دودھ روکنا، یہ باور کرانے کے لیے کہ یہ جانور بہت دودھ دینے والا ہے) عیب نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ عقد (لین دین) کا مقتضا یہ ہے کہ مبیع (فروخت شدہ جانور) عیوب سے خالی ہو، یہ عیب جو دودھ میں ہے، یہ اس کے ثمرات و منافع اور زوائد میں ہے، جس کی وجہ سے نفسِ بیع پر کوئی اثر نہیں پڑتا، خواہ دودھ کم ہو یا بہت، لہٰذا بیع کا فسخ کرنا اور مبیع (فروخت شدہ جانور) کا رد کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ یہ بیع لازم ہو گئی، مشتری (خریدار) اور قاضی

کواس کے فسخ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔'' (درسِ ترمذی از حسین احمد : ۶۷۵)

## جواب:

جانور واپس لوٹانے کا حق نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ ہے اور آپ کا عطا کردہ حق کیوں چھینا جا رہا ہے؟ اس بات سے بچہ بچہ واقف ہے کہ جانور کے تھنوں میں دودھ روکنا، یہ باور کرانے کے لیے کہ یہ جانور بہت زیادہ دودھ دینے والا ہے، صریح دھوکا اور عیب ہے، خریدار نے جب جانور خریدا تھا، اس کے دودھ کی زیادتی کو دیکھ کر، جبکہ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ جانور تو ادا کردہ قیمت کے مطابق بہت کم دودھ دیتا ہے، تو یہ واضح عیب ہے، اس عیب کے باوجود اگر وہ بیع فسخ نہ کرنا چاہے، تو نہ کرے، یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے۔

**قارئین!** کتنی بڑی جسارت ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو فسخ کا حق دیں، اس وجہ سے کہ اس جانور میں عیب ہے، لیکن تقلید پرست یہ کہیں کہ یہ عیب نہیں ہے، لہٰذا فسخ کا کوئی حق نہیں، فرمائیں! یہ حدیث کا اتباع ہے یا مخالفت؟ آپ اس کو کیا نام دیں گے؟

## اعتراض نمبر ۵:

جناب حسین احمد ''مدنی'' دیوبندی کہتے ہیں:

''یہ دوسری بات ہے کہ بائع (بیچنے والا) اور مشتری (خریدنے والا) باہمی رضامندی سے رد کرنا چاہیں تو یہ جائز ہے۔'' (تقریر ترمذی از حسین احمد : ۶۷۵)

**جواب:** یہ ہوا پرستی ہے، ''باہمی رضامندی'' کہاں سے لے آئے؟ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خریدار کو ان الفاظ میں اختیار دیا ہے کہ ((ان شاء أمسک ، وان شاء ردّھا وصاع تمر)) ''اگر چاہے تو پاس رکھ لے اور اگر چاہے تو جانور ایک صاع کھجوروں کے ہمراہ واپس کر دے''۔ اگر خریدار اپنا یہ حق استعمال کرنا چاہے تو بیچنے والے پر نبوی فرمان کے مطابق لازم ہے کہ وہ یہ جانور واپس لے، بصورتِ دیگر حدیث کا مخالف ٹھہرے گا اور سخت گناہ گار ہوگا۔

## اعتراض نمبر ۶:

جناب محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی لکھتے ہیں:

''یہ حدیث قرآنی ضابطہ ﴿فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾ سے متعارض ہے یعنی تلف شدہ چیز کا تاوان بالمثل ہوتا ہے، عام اس سے کہ مثل صوری ہو یا (فتح القدیر : ۲/ ۱۴۱)

معنوی، یعنی قیمت اور "صاع من تمر" (ایک صاع کھجوریں) نہ تو مثلِ لبن (دودھ کی مثل) اور نہ قیمتِ لبن ہے۔" (الکلام المفید: ۲۷۲_۲۷۳، خزائن السنن: ۵۴۸)

## جواب:

۱☆ یہ منکرینِ حدیث کی روش ہے کہ حدیث کو قرآن کے معارض قرار دے کر ترک کر دیتے ہیں۔

یہ مدعیٔ اسلام تو ہیں، ساتھی ہیں مگر بیگانوں کے
تقوی کی وہ بو ہی ان میں نہیں، وہ رنگ نہیں ایمانوں کے

جناب سرفراز خان صفدر خود لکھتے ہیں:

"صحاحِ ستہ کی صحیح احادیث میں سے کوئی حدیث قرآنِ کریم کی کسی بھی آیتِ کریمہ کے ہرگز خلاف نہیں، اگر کسی کوتاہ فہم کو صحاحِ ستہ کی کسی حدیث کا قرآنِ کریم کی کسی آیتِ کریمہ سے تضاد نظر آتا ہے تو وہ اس کی اپنی سوءِ فہم کا نتیجہ ہے، ایسا سطحی قسم کا تعارض تو قرآنِ کریم کی بعض آیاتِ کریمات کا آپس میں بھی معلوم ہوتا ہے۔" (شوقِ حدیث از صفدر: ۱۵۳)

۲☆ اس آیتِ کریمہ کا تعلق عقوبات (تعزیرات) سے ہے، جبکہ اس حدیث کا تعلق اموال کے ساتھ ہے، اموال کا تاوان کبھی بالمثل ہوتا ہے اور کبھی بالمثل نہیں ہوتا۔

۳☆ اگر ایک صاع کھجوریں نہ دودھ کی مثلِ صوری ہیں نہ مثلِ معنوی یعنی قیمت ہیں تو یہ مثلِ شرعی ہوئیں، کیونکہ اس دودھ کی مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کی ہے، لہٰذا اس میں چوں چراں کی کیا ضرورت ہے؟

## اعتراض نمبر ۷: صفدر صاحب مزید لکھتے ہیں:

"یہ حدیث ((الخراج بالضمان)) کی حدیث کے خلاف ہے (ابو داؤد: ۲/ ۱۳۹[۳۵۰۸، وسندہ حسن۔ غ، م) یعنی جو شخص کسی چیز کے نقصان کو برداشت کرتا ہے تو چیز کا نفع بھی اس کا ہوگا، چونکہ مشتری (خریدار) دودھ دینے والے جانور کا خرچہ اٹھاتا ہے، اس لیے اس کے دودھ کا حقدار بھی وہی ہے، جو عادتاً چارہ کی قیمت سے زیادہ ہوتا ہے، اس کے بدلے میں اسے بائع (بیچنے والے) کو کچھ بھی نہیں دینا پڑتا، جبکہ حدیث المصراۃ میں "صاع من التمر" (ایک صاع کھجوروں کا) دینا پڑتا ہے۔"

(الکلام المفید از صفدر: ۲۷۳)

**جواب** : ۱☆ یہ ساری کی ساری باتیں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدِّ نظر تھیں، اس کے باوجود آپ نے ایک صاع کھجوریں بھی دینے کا حکم فرمایا، دراصل یہ نبوی فیصلے کو چیلنج ہے، جو صرف آلِ تقلید کی عدالت کے حصے میں آیا ہے، یہ خوامخواہ احادیث میں تعارض پیدا کر کے آسان مسائل کو الجھانے والی بات ہے، حدیث ((الخراج بالضمان)) عام ہے اور حدیثِ مصراۃ خاص ہے، عام اور خاص میں تعارض ہو تو خاص کو مقدم کرتے ہیں، لہٰذا تعارض ختم ہوا۔

امام طحاوی نے حدیثِ مصراۃ کو حدیث ((الخراج بالضمان)) کے معارض قرار دیا، اس کے جواب میں جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی کہتے ہیں:

اقول : ان هذا الجواب ليس بذاک القوی . ''یہ کوئی ٹھوس (تسلی بخش) جواب نہیں۔''

(العرف الشذی از کشمیری: ۱/ ۳۶۸)

**اعتراض نمبر ۸**: جناب سرفراز خان صفدر دیوبندی لکھتے ہیں:

''طعام کی طعام کے ساتھ ''نسیئة'' (ادھار) بیع جائز نہیں، دودھ اور تمر (کھجور) کا طعام ہونا تو واضح ہے اور ''نسیئة'' (ادھار) بھی ظاہر ہے کہ دودھ دوہنے کا زمانہ کیا ہے اور ''صاع من التمر'' (ایک صاع کھجوریں) ادا کرنے کا زمانہ کیا ہے؟ اور حدیث المصراۃ اس کے خلاف ہے۔''

(الکلام المفید از صفدر: ۲۷۳)

**جواب**: یہ بیع (خرید و فروخت) نہیں ہے، بلکہ بیع کے منعقد ہو جانے کے بعد دودھ کی کمی کی صورت میں ایک عیب ظاہر ہوا ہے، جو بیع کے فسخ کا سبب بنا ہے، اس وقت ایک صاع کھجوریں ادا کرنے کا نبوی حکم ہے، اس کو بیع قرار دینا نری جہالت اور دھوکہ دہی ہے۔

باقی رہا طعام کی طعام کے ساتھ ادھار بیع کا جائز نہ ہونا تو اس کا تعلق کچھ اجناس کے ساتھ ہے، دودھ ان اجناس میں شامل نہیں۔

**اعتراض نمبر ۹**: جنابِ صفدر مزید لکھتے ہیں:

''جزاف (تخمینہ والی چیز) کو مکیل و موزون (جس کا وزن کیا گیا ہو) کے مقابلہ میں بیچنا جائز نہیں ہے اور یہاں دودھ جزاف (تخمینہ والی چیز) ہے اور وہ مجہول ہے اور ''صاع من التمر'' (ایک صاع کھجور) معلوم ہے اور حدیث المصراۃ اس طے شدہ قاعدہ کے خلاف ہے۔'' (الکلام المفید : ۲۷۳)

**جواب:** جب یہ بیع ہی نہیں تو طے شدہ قاعدہ کے خلاف کیسے؟ نبوی فیصلے کے مطابق ایک صاع کھجوریں تمام دودھ کا مثل ہیں۔

**اعتراض نمبر ۱۰:** جناب سرفراز خان صفدر لکھتے ہیں:

''امام طحاوی فرماتے ہیں کہ حدیثِ مصراۃ پہلے کی ہے اور حرمتِ ربا (سود کی حرمت) کا حکم اس کے بعد کا ہے اور چونکہ ربوٰ (سود) حرمت نصِ قطعی اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے، لہٰذا اس کا حکم منسوخ ہے۔'' (الکلام المفید از صفدر : ۲۷۳)

**جواب:** امام طحاوی حنفی کا دعویٔ نسخ بلا دلیل ہے، ان کی عادت ہے کہ بغیر دلیل کے نسخ کا دعوٰی کرتے رہتے ہیں، جیسا کہ حافظ ابنِ حجر لکھتے ہیں:

لکنه یکثر من ادعائه النّسخ بالاحتمال فجرٰی علی عادته.

''محض احتمال کی بنیاد پر کثرت سے دعویٔ نسخ آپ کی عادت ہے۔'' (فتح الباری : ۹/ ۴۷۸)

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

و نجد کثیرا من النّاس ممن یخالف الحدیث الصّحیح من أصحاب أبی حنیفة أو غیرهم یقول : هٰذا منسوخ و قد اتّخذوا هٰذا محنة ، کلّ حدیث لا یوافق مذهبهم یقولون : هو منسوخ من غیر أن یعلموا أنه منسوخ ولا یثبتوا ما الّذی نسخه.

''ہم نے کثیر تعداد میں امام ابوحنیفہ کے پیروکاروں وغیرہ کو پایا ہے جو صحیح حدیث کی مخالفت کرتے ہیں، وہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے، یہ ان کا وطیرہ ہے کہ ہر حدیث جو ان کے مذہب کے مطابق نہ ہو، بغیر علم کے اس کو منسوخ قرار دیتے ہیں، وہ اس حدیث کا دلیل سے ناسخ بھی ثابت نہیں کر سکتے۔

(مجموع الفتاوی : ۲۱/ ۱۵۰)

اس مسئلہ میں بھی حدیث کی مخالفت کرنے والوں نے یہی روش اختیار کی ہے، منسوخیت کا بے بنیاد دعوی کر دیا ہے، سیدنا ابنِ مسعود کا فتوی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ منسوخ نہیں۔

**اعتراض نمبر ۱۱:** جناب سرفراز خان صفدر دیوبندی لکھتے ہیں:

''امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ((نهٰی عن بیع الکالئ بالکالئ یعنی الدّین بالدّین)) کے خلاف ہے (طحاوی : ۲/ ۱۶۹) یعنی نہ تو ابھی تک مشتری (خریدار) نے پورا دودھ وصول کیا اور نہ بائع

(بیچنے والے) نے تمر (کھجوروں) کا صاع وصول کیا تو یہ دین بالدین ہے، جس سے نہی آئی ہے، یہ روایت رافع بن خدیج سے بھی مرفوعاً مروی ہے (نصب الرایة: ٤/ ٤٠عن الطبرانی) اور حضرت عبداللہ بن عمر سے بھی مرفوعاً مروی ہے، ان کی روایت دارقطنی (٣١٩) سنن کبری بیہقی (٥/ ٢٩٠) وغیرہ۔۔۔''

(الکلام المفید: ٢٧٣۔٢٧٤)

**جواب:** یہ حدیث سنن الدارقطنی (٧١/٣، ح:٣٠٤١۔٣٠٤٢)، البزار (کشف الاستار: ١٢٨)، المعجم الکبیر للطبرانی (٤٣٧٥)، السنن الکبری للبیہقی (٢٩٠/٥)، المستدرک للحاکم (٥٧/٢) میں آتی ہے ،اس کی سند ''ضعیف'' ہے، موسیٰ بن عبیدہ الربذی راوی ''ضعیف'' ہے، حافظ ابنِ کثیر لکھتے ہیں:

**فان الرّبذی ضعیف عند الأکثرین .**

(تفسیر ابن کثیر: ٤/ ١٤٨، سورۃ بنی اسرائیل، تحت آیة: ٤٤ بتحقیق عبد الرزاق المھدی)

دارقطنی اور حاکم کی سند میں موسیٰ بن عقبہ ہے، زیلعی حنفی لکھتے ہیں:

**وغلّطھما البیھقیّ وقال: انما ھو موسیٰ بن عبیدة الرّبذی** (نصب الرایة: ٤/ ٤٠)

لہٰذا امام حاکم وغیرہ کا اسے ''صحیح'' کہنا ''صحیح'' نہیں۔

مصنف عبدالرزاق (٨/ ٩٠، ح: ١٤٤٤٠) کی سند میں ابراہیم بن ابی یحییٰ الاسلمی ''ضعیف'' ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اس مسئلہ پر اجماع ہے (نیل الاوطار: ٥/ ١٦٦) تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ حدیثِ مصراۃ میں جو تین دن کے اندر اندر واپسی کا اختیار دیا گیا ہے، ان دنوں میں جو دودھ پیا ہے، اس کے عوض میں ایک صاع کھجوریں دے گا، یہ دودھ اور کھجوروں کی بیع نہیں ہے، بلکہ نبوی فیصلہ ہے، جسے تقلید پرست سود اور نہ معلوم کیا کیا نام دے رہے ہیں، فقیہ امت سیدنا ابنِ مسعود کا فتوی اس بات پر دال ہے کہ یہ حدیثِ مصراۃ شریعت کی کسی نص کے خلاف نہیں، اندھی تقلید اتنی سی بات ذہن میں نہیں آنے دیتی۔

**اعتراض نمبر ١٢:** جناب سرفراز خان صفدر دیوبندی لکھتے ہیں:

''اکابرِ علمائے دیوبند کا اس حدیث پر عمل ہے، فیض الباری (٢/ ٢٣١) ، العرف الشذی (٢٣٦) اور بوادر النوادر (١٠٧) میں ہے کہ حدیث المصراۃ صلح اور مشورہ پر محمول ہے اور صلح و دیانت اور مشاورت مساوات کے قیاسی اصول سے بالاتر معاملہ ہوتا ہے۔'' (خزائن السنن: ٤٩۔٥٠)

**جواب:** خواہشات پرستی اسی کا نام ہے کہ جو جی میں آئے کریں، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فیصلہ کلیہ اور ضابطہ بنا کر کیا ہے، جو دیوبندیوں کو قطعاً قبول نہیں، یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ آپ نے بائع اور

مشتری کو بلا کر صلح کروائی تھی اور مشتری کو کہا تھا کہ ایک صاع کھجوروں کا بھی واپس کرو؟ حاشا وکلا ایسے نہیں ہے، بلکہ ہمارے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فیصلہ سنایا ہے اور ایک کلیہ وضابطہ بتایا ہے، مزید فقیہ الامت سیدنا ابنِ مسعود کا فتوی سونے پر سہاگہ ہے۔

حافظ ابنِ قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

رد محكم الصّحيح الصّريح فى مسألة المصرّاة بالمتشابه من القياس ، وزعمهم أنّ هذا الحديث يخالف الأصول فلا يقبل ، فيقال : الأصول كتاب اللّٰه وسنّة رسوله واجماع أمته والقياس الصّحيح الموافق للكتاب والسّنة ، فالحديث الصّحيح أصل بنفسه ، فكيف يقال : الأصل يخالف نفسه ؟ هٰذا من أبطل الأباطيل ، والأصول فى الحقيقة اثنان لا ثالث لهما : كلام اللّٰه وكلام رسوله ، وما عداهما فمردود اليهما ، فالسّنة أصل قائم بنفسه ، والقياس فرع ، فكيف يرد الأصل بالفرع ؟ وقد تقدم بيان موافقة حديث المصرّاة للقياس وابطال قول من زعم أنه خلاف القياس ، وأما القياس الباطل فالشّريعة كلّها مخالفة له ، ويااللّٰه العجب ! كيف وافق الوضوء بالنبيذ المشتدّ للأصول حتى قُبِلَ وخالف خبر المُصَرَّاة للأصول حتى رُدَّ.

”(احناف نے) مسئلہ مصراۃ میں صحیح وصریح نص کو قیاس کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے اور یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ حدیث اصول (قیاس) کے خلاف ہے، لہٰذا قبول نہیں کی جائے گی، ان کو جواباً یوں کہا جائے گا کہ اصول تو اللہ کی کتاب، اس کے رسول کی سنت، اجماعِ امت اور صحیح قیاس کا نام ہے اور صحیح قیاس وہ ہے جو کتاب وسنت کے مطابق ہو، چنانچہ صحیح حدیث خود ایک مستقل اصل ہے، کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ایک اصل اپنے ہی خلاف ہے؟ یہ باطل ترین بات ہے، درحقیقت اصول دو ہی ہیں، تیسرا کوئی نہیں، یعنی قرآن وحدیث، ان کے علاوہ ہر بات انہی کی طرف لوٹائی جائے گی، معلوم ہوا کہ حدیث اصل ہے اور قیاس فرع ہے، فرع کی وجہ سے اصل کو کیونکر چھوڑا جا سکتا ہے؟ حالانکہ پہلے حدیثِ مصراۃ کا قیاس کے مطابق ہونا بیان ہو چکا ہے، یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ اسے خلافِ قیاس سمجھنا باطل ہے، نیز شریعت کا کوئی حکم قیاسِ صحیح کے خلاف نہیں، رہا قیاسِ باطل تو ساری شریعت ہی اس کے مخالف ہے۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ گاڑھے نبیذ سے وضو کرنا قیاس کے مطابق سمجھ کر کیسے مان لیا گیا اور حدیثِ مصراۃ قیاس کے خلاف سمجھ کر کیسے چھوڑ دی گئی؟“ (اعلام الموقعین : ۳۱۱/۲)

سلسلہ تعارفِ تفاسیر ومفسرین تحریر: الشیخ محمد بن حمود النجدی ترجمہ: حافظ ابو یحییٰ نور پوری

# تفسیر الزمخشری (٤٦٧......٥٣٨ھ)

**مفسّر کا نام:** ابو القاسم محمود بن عمر بن محمد الخوارزمی، الحنفی، المعتزلی، لقب ''جار اللہ'' ہے۔

**تفسیر کا نام:** الکشّاف عن حقائق التّنزل وعیون الأقاویل فی وجوہ التّاویل۔

**عقیدہ:** فقۂ معتزلہ کے امام ہیں، اپنے مذہب کی خوب حمایت کرتے ہیں اور اس کی تائید میں دلیل وحجت کی جتنی بھی قوت وطاقت ان کے پاس ہوتی ہے، صَرف کرتے ہیں۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''صَالِحٌ 'لٰكِنَّهٗ دَاعِيَةٌ اِلَى الْاِعْتِزَالِ أجَارَنَا اللّٰهُ ' فَكُنْ حَذِرًا مِنْ كَشَّافِهٖ.

''وہ صالح آدمی ہیں لیکن معتزلی مذہب کے پرجوش داعی ہیں، اللہ ہمیں محفوظ رکھے، لہٰذا ان کی کتاب ''الکشّاف'' سے بچ کر رہیں۔'' (المیزان ٤/٧٨)

ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ آیات سے اپنے باطل مذہب کی تائید حاصل کریں، اس کے خلاف آنے والی آیات کی تاویل کریں اور کفار کے بارے نازل ہونے والی آیات کو ان اہل السنۃ والجماعہ پر چسپاں کریں، جن کو موصوف حَشَوِيَّة، مُجَبِّرَۃ اور مُشَبِّهَة کا نام دیتے ہیں۔

**تفسیرِ ھذا کی عمومی خصوصیات:** ان کی تفسیر جمالِ قرآن اور اس کے سحرِ بلاغت کے بیان میں منفرد ہے، کیونکہ وہ لغتِ عرب سے واقفیت اور ان کے اشعار کی خوب معرفت رکھتے ہیں، لیکن وہ قرآنی آیات سے اندازِ بلاغت میں اپنے باطل معتزلی مذہب کے دلائل تراشتے ہیں، چنانچہ اس تفسیر سے بچنا ہی بہتر ہے، خاص طور پر اس کو، جو اس میدان میں نو وارد ہو۔

**مسائل فقھیّہ** فقہی مسائل میں زیادہ تر تفصیل نہیں کرتے اور اپنے مذہبِ حنفی میں متعصب نہیں، بلکہ معتدل ہیں۔

**لغت ، نحو اور شعر:** قرآنِ کریم میں معانی اور بیان کی جو دولتِ بلاغت موجود ہے، اسے اہتمام سے بیان کرتے ہیں، لیکن جب ایسا لفظ آجائے، جو ان کے مذہب کے موافق نہ ہو، تو ظاہری معنی کو ترک کرنے، لغت میں موجود کوئی دوسرا معنی دینے یا اسے مجاز، استعارہ اور تمثیل قرار دینے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے۔

**اسرائیلی روایات میں آپ کا انداز:** اسرائیلی روایات بہت کم بیان کرتے ہیں، ان کو ''رُوِیَ'' کے لفظ سے ذکر کرتے ہیں یا آخر میں ''واللّٰہ أعلم'' کہہ دیتے ہیں، لیکن انہوں نے ہر سورت کی تفسیر کے آخر میں اس کے فضائل میں ''موضوع'' (من گھڑت) احادیث بیان کی ہیں۔